

تفسیرِ علم

(قرآن حکیم)

جلد نہم
9

از
خواجہ عارفیاں، ابدال چشت اہل بہشت
عامل شریعت، کامل طریقت
صادق البیان، مفسر القرآن
فدائے عشق محمدی
ضیائے غلام عارفی، وفائے سگِ افضلی
حضرت قاضی محمد علیم اللہ عارفی
قادری، چشتی، صابری عارفی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیرِ علیم (جلد نہم)

نام کتاب

حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ کراچی

ترتیب و پیشکش

حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ کراچی

ناشر

تعداد	تاریخ اشاعت
۱۵۰۰	شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ جون ۲۰۱۴ء ۲۹۷۶۶ ع ۹۳۳ ۱۲۷۶۳۴

E-mail: arfeen@cyber.net.pk

مناجات

اے اللہ کریم ! ہم گناہ گار و خطا کار ہیں۔ ہمیشہ تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور مشکل سے مشکل گھڑی میں تجھے ہم نے پکارا، تو نے ہماری پکار اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے میں اور وسیلہٴ جلیلہ، اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبول فرما کر ہمیں ہمیشہ اپنی رحمت سے نوازا اور اس مشکل سے نجات دی۔ تو کریم المعروف ہے، قدیم الاحسان ہے، حنان و منان و دیان ہے، ذوالجلال والا کرام ہے اور علیٰ کلّ شیءٍ قَدِيرٌ اور کُنْ فَيَكُونُ کی طاقت رکھتا ہے۔

تیری اس عاجز بندی نے ڈرتے ڈرتے ”تفسیرِ علیم (جلد نہم)“ کے عنوان سے جناب خواجہ عارفیاں، ابدال چشت اہل بہشت، عاملِ شریعت، کاملِ طریقت، صادق البیان، مُفسِّر القرآن، فدائے عشقِ محمدی، ضیائے غلامِ عارفی، وفائے سگِ افضلی، حضرت قاضی محمد علیم اللہ عارفی قادری، چشتی، صابری عارفی رحمۃ اللہ علیہ کے قرآنی بیان کو کتاب کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اب یہ تیری بارگاہِ عالیہ میں نذر ہے۔ اسے شرفِ قبولیت عطا فرما۔ امیدوار ہوں تو مایوس نہیں فرمائے گا۔ کاش یہ تیری اور تیرے حبیب پاک ﷺ کی خوشنودی کا باعث بنے۔ آمین ! جو جو میری خامیاں ہیں، اُن کو درگزر فرما۔

میرے پاس کوئی عذر نہیں، صرف معافی کی طلبگار ہوں۔

اس کے پڑھنے والے کی حاجتیں اور مُرادیں پوری فرما۔ اُن کو دین کی بھلائی عطا فرما۔ اُن کو اپنی اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اور پنجتن پاک کی محبت عطا فرما۔ یا اللہ! جو شخص بھی حاجتمند ہے وہ اس کو پڑھنے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہ کر لے بلکہ اس میں ایسا ذوق و شوق عطا فرما کہ وہ دین کے کسی عالمِ حق کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے کلامِ پاک کے معانی اور تفسیر غور سے پڑھے۔ اس کے بعد اس کو توفیق عطا فرما کہ وہ تیری اور تیرے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اطاعت کرے تیری ہی ہوتی توفیق سے۔ محض اس نیت سے کہ تو اور تیرے حبیبِ پاک (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اُس سے راضی ہو جائیں۔

دُعا گو اور دُعا جو
رابعہ ثانی

اظہارِ تشکر

میں اپنی اُن دینی بہنوں اور بھائیوں کی ممنون ہوں، جنہوں نے داءِ، درمے، سُخنے اس کام میں میری مدد کی۔ اے اللہ! اُن سب پر اپنے فضل و کرم کی بارش فرما اور انہیں ہر بلا سے ناگہانی، آفت، مصیبت، پریشانی، بدنامی، بے عزتی، مفلسی، محتاجی، بیماری، قرض داری، رُجعتِ دین، ذکر و فکر اور نماز سے غفلت سے محفوظ فرما اور انہیں اس معاونت کا اجرِ عظیم عطا فرما! آمین

دُعاگو اور دُعا جو
والبعثتانی

گزارش

اس تالیف میں اگر کہیں زیر، زبر یا کتابت کی کوئی غلطی
نظر آئے تو اسے از راہِ کرم اپنے قلم سے خود درست کر لیجئے گا۔
آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔

دعاگو اور دعا جو

رابعہ ثانی

پَارَةٌ تِلْكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَاتِ نَمْبَرِ ۲۵۵۔ تا۔ ۲۵۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ؕ لَا
تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ
یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ
اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَّ لَا یُحِیْطُوْنَ
بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ ؕ وَسِعَ
كُرْسِیُّهٗ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ؕ وَّ لَا یَـُٔوْدُهٗ
حِفْظُهُمَا ؕ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾
لَا اِكْرٰهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ
مِنَ الْغَیِّ ؕ فَمَنْ یَكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَّ

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ ﴿٢٥٦﴾ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا لَا
يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَهُم الطَّاغُوتُ لَا
يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾

اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آپ زندہ اور
اوروں کا قائم رکھنے والا، اُسے نہ اُونگھ آئے نہ نیند،
اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں۔ وہ
کون ہے جو اس کے ہاں سفارش کرے، بے اس کے حکم
کے۔ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے
پیچھے، اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے، مگر جتنا
وہ چاہے۔ اس کی کرسی میں سمائے ہوئے ہیں آسمان اور
زمین، اور اسے بھاری نہیں ان کی نگہبانی۔ اور وہی ہے
بلند بڑائی والا ﴿٢٥٥﴾ کچھ زبردستی نہیں دین میں، بے شک

خوب جدا ہو گئی ہے نیک راہ گمراہی سے، تو جو شیطان کو
 نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے، اس نے بڑی محکم گمراہ
 تھامی، جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے ﴿۲۵۶﴾ اللہ
 والی ہے مسلمانوں کا، انہیں اندھیریوں سے نور کی طرف
 نکالتا ہے۔ اور کافروں کے حمایتی شیطان ہیں، وہ انہیں
 نور سے اندھیریوں کی طرف نکالتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخ
 والے ہیں، انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ﴿۲۵۷﴾

(آیت الکرسی) میں نے آپ کے سامنے ۲۵۵ سے ۲۵۷ تک تین
 آیات کی تلاوت کی ہے۔ اس میں سے ۲۵۵ آیت، آیت الکرسی ہے جس کی
 تفسیر میں پچھلی مجلس میں بیان کر چکا ہوں۔ آیت الکرسی وہ آیت ہے، جس میں
 انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد اب اللہ تعالیٰ توحید کا ذکر فرماتا ہے۔ بلا شرکت
 غیر سے اس کے ارض و سماء میں جو حکومت ہے اس کا ذکر فرماتا ہے اور اپنی ذات
 وصفات کے مطابق مومنین کو مطلع فرماتا ہے۔ جو وہ ذات بابرکات ہے جو کبھی
 تھکتی نہیں۔ کبھی غفلت میں نہیں ہوتی اس نے ارض و سموات کا نظام سنبھالا
 ہوا ہے۔

یہ آیت الکرسی جو الہیات کے اعلیٰ مثال کا ذکر اس میں ہے۔ اس میں
 اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بے مثل بیان ہے۔ اس میں ایک اسم اعظم بھی ہے

حَتَّىٰ قَيُومٍ۔ اور جبکہ میں نے پچھلی مجلس میں بتایا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی سے مُردے کو زندہ فرماتے تھے ”کُنْ بِإِذْنِ اللَّهِ“ کہہ کے اور اسی اسمِ اعظم کی برکت سے اولیاء اللہ مشرق سے مغرب تک سفر کرتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آیت الکرسی مجھے عرش کے نیچے عنایت کی گئی۔ اس کے فضائل بھی میں نے بیان کئے تھے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا اكْرَاهُ فِي الدِّينِ قَدَتَيْنِ
 الرشد من الغي: یہود و نصاریٰ یہ الزام لگاتے تھے، مسلمانوں پر کہ، سرکارِ
 دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ اور یہود و نصاریٰ کو بزورِ شمشیر مسلمان کیا ہے۔
 اور آج بھی یہود و نصاریٰ اسی کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دیں۔ گویا
 اسلام دہشت گردی سے پھیلتا ہے اور دہشت گردی سے قائم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
 نے اس کی تردید فرمائی۔ اس لئے کہ ایمان ایک قلبی کیفیت کا نام ہے۔ ایمان کا
 تعلق دل سے ہے۔ دل کسی کی بات زبردستی نہیں مانتا۔

ذہن کو آپ مجبور کر سکتے ہیں، ڈرا کر، دھمکا کر اپنی بات منوا سکتے ہیں۔ ذہن
 مصلحت کو قبول کرتا ہے۔ ذہن، خوف میں آکر کوئی ناپسندیدہ عمل قبول کر سکتا ہے
 لیکن قلب کا ردِ عمل اس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو مومن ہیں وہ
 موت کے ڈر سے اگر جھوٹ بھی بول لیں تو دل میں ایمان قائم رہے گا۔ اور جو کافر ہے
 وہ موت کے ڈر سے اگر کلمہ بھی پڑھ لیں تو دل میں کفر اور منافقت قائم رہتی ہے۔
 تو اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیات میں جو انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا کہ، ان میں

سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ بعض کو ہم نے قربت عطا فرمائی، بعض کو شرف کلام عطا فرمایا، کسی کو حجاب کے ساتھ جیسے حضرت موسیٰ کلیم اللہ، اور کسی کو بغیر حجاب کے، جیسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اور پھر آیت الکرسی میں صفات و ذات کے متعلق بیان کیا۔ اب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ: ان تمام نشانیوں کو واضح کرنے کے بعد ایمان کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ لوگ جو تخریبی عناصر کے شکنجے میں ہیں جو شیطان و نفس کے شکنجے میں ہیں اس کے علاوہ جن لوگوں نے شیطان و نفس کے شر سے خود کو محفوظ کر لیا ہے وہ تو صریحاً ایمان لائیں گے۔ اور ایمان جو ہے ایک خوشی کا سودا ہے۔

لہذا یہ الزام کہ لوگ مسلمان ہوئے بزورِ شمشیر یا دھاندلی سے، یا کراہیت و زورِ زبردستی سے یہ غلط ہے: لا اکراہ فی الدین: دین میں کوئی زورِ زبردستی نہیں ہے یہ دین کا معاملہ ہے اور اس میں: قد تبین الرشد: تبین بیان سے ہے صاف کھل جانا، کسی چیز کا: تبین الرشد من الغی: رُشد کہتے ہیں ہدایت کو، اور غی کہتے ہیں بے راہ روی کو تو اللہ تعالیٰ نے جو آیات نازل کی ہیں جو نشانیاں اپنے پیغمبروں کو عطا فرمائی ہیں اس سے ہدایت کا اور بے راہ روی کا فرق صاف ظاہر ہو گیا، اب جن کو اللہ نے بصیرت عطا فرمائی ہے وہ ایمان لائیں گے اور شیطان اور نفس نے جن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے جن کے قلوب پر غلاف چڑھا دیا ہے کفر و بغاوت کا، وہ ایمان سے رُوگرداں رہیں گے۔ جو ایمان لانے والے ہیں ان کی کیا صفات ہیں: فمن یحفر

بالطاعت : طاعت، ان تمام طاقتوں اور عوامل کو کہتے ہیں، جو آپ کو اللہ تعالیٰ سے دور کریں، جیسے شیطان ہے جیسے وہ عالم ہیں جو اللہ کی بات چھوڑ کر اپنے دل کی بات، اپنے نفس کی بات کرتے ہیں، جو اللہ کے حکم کے علاوہ کوئی اور حکم چلاتے ہیں یہ سب طاعت میں ہیں، وہ سارے لوگ جو صراطِ مستقیم سے، ایمان باللہ سے، ایمان بالرسول سے، اللہ کی عظمت سے اور سرکارِ دو عالم کی عظمت سے آپ کو روگرداں کرتے ہیں، وہ سارے لوگ طاعت کے ذمے میں آتے ہیں تو جنہوں نے Reject کر دیا ہے۔

ومن يكفر: کفر کا مطلب ہے انکار جس کو اللہ نے یہ استطاعت دے دی کہ وہ ہر طرح کی رکاوٹوں سے ہر طرح کے بہکاوے سے وہ منکر ہو چکا ہے ان تمام عوامل اور طاقتوں کا جو اللہ سے لوگوں کو دور کر دیتے ہیں ان تمام طاقتوں کا وہ منکر ہو چکا ہے: ویومن باللہ: اور تمام طاقتوں کو رد کرتے ہوئے وہ اللہ پر ایمان لائے، مثال کیا ہے؟ اب وہ کہیں کریں گے نہیں، تنہا نہیں رہیں گے: فقد استمسک: تمسک الصاف سے ہے، روکنے سے پکڑنے سے ہے تو انہوں نے پکڑ لے کیا چیز: بالعروة الوثقی: جیسے پھانسی کا پھندا ہوتا ہے، کوئی سہارا کوئی چیز جس کو آپ مضبوطی سے پکڑ لیں تاکہ وہ رستی نہ چھوٹے آپ سے تو اللہ تعالیٰ مثال دیتا ہے کہ ایسے لوگ وہ ہیں جنہوں نے ایک مضبوط گرہ کو ایمان کی مضبوط رستی کو پکڑ لیا ہے۔ اور وہ رستی کیسی ہے؟ لا انفصام: وہ ٹوٹنے والی نہیں ہے۔ انہوں نے ایک مضبوط، مستحکم رستی کو

طاغوتی طاقتوں کو رد کرتے ہوئے اللہ پر ایمان لائے اور اس طرح انہوں نے ایک نہ ٹوٹنے والی رستی کو مضبوطی سے پکڑ لیا : واللہ سمیع علیہ ۰ : اور اللہ سنا اور جانتا ہے۔

یہ آیت جو تھی اس جھوٹ اور کذب کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ جو مسلمانوں پر تھوپا جاتا تھا، اسلام کے دشمنوں نے اسلام پر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا الزام لگایا۔ قرآن نے اسے پہلے ہی رد کر دیا، کہ دین کے معاملے میں جبر و اکراہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دین کی بنیاد جو ہے وہ ایمان ہے۔ اور ایمان کا تعلق دل سے ہے۔ اور دل جو ہے جبر و اکراہ کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔ اسلام انسان کی باطنی، قلبی اور روحانی اصلاح چاہتا ہے، یہ اصلاح جو ہے، یہ ڈر، اور خوف کے عالم میں گلے میں پھندا ڈال کر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے علماء کے برخلاف اولیاء اللہ کیا کرتے ہیں، کہ اللہ کی مخلوق کے دلوں کو سدھارتے ہیں، جب قلب سدھر جاتا ہے تو ایمان باللہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ ایمان بالرسول بھی ہو جاتا ہے، تو دین کی بنیاد ایمان ہے، ایمان کا تعلق دل سے ہے۔ اللہ کے ان بندوں کو جن کے دلوں میں عشق الہی ہے۔ عشق مصطفیٰ ہے، انہیں جبر و ظلم سے روگرداں نہیں کر سکتا۔ اور اس کی مثال حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، کہ کیسے کیسے ظلم ان پر کئے گئے۔ پتی ہوئی ریت میں ان کو گھسیٹا گیا، لیکن وہ ایمان سے متزلزل نہیں ہو سکے اس لئے کہ ان کا قلب اللہ کا غلام ہو چکا تھا۔

تو جسم کو جتنی بھی اذیت ہو قلب تو اپنی ہی بات کرے گا۔ تو بات یہ ہے کہ جب اللہ کی نشانیاں سامنے آئیں۔ قلب مومن ہو جائے، اس میں عشقِ الہی اور عشقِ مصطفیٰ آجائے تو جبر اور ظلم دنیاوی تکالیف اور آرام، مصیبتیں اور آزمائش ساری چیزیں بھی انسان کو ایمان سے منحرف نہیں کر سکتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب جبر کے ذریعے سے لوگوں کو مسلمانوں کو ایمان سے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جب جبر کے ذریعے سے مومنین پہ کفارِ ظلم کو بنا چاہتے ہیں۔ اپنے طور طریقے کو لانا چاہتے ہیں تو پھر وہ سینہ سپر ہو جاتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔ اگر جبر سے اکراہ سے دین آسکتا تو ہندوستان میں ۹۰۰ سال تک مسلمانوں نے حکومت کی۔ پھر تو شمالی ہندوستان میں ایک بھی کافر نہیں بچنا چاہیے تھا، سارے مسلمان ہو جاتے۔ لیکن نہیں جہاں اولیاء اللہ گئے، جہاں علمائے عرب نے تبلیغ کی وہ اکثریت مسلمانوں کی ہو گئی، جیسے انڈونیشیا، ملائیشیا۔ جہاں حکومتیں اور سلطنتیں مسلمانوں کی ہوئیں وہاں سو فیصدی مسلمان اکثریت نہیں ہو سکتی، لیکن جس علاقے میں اولیاء اللہ گئے جیسے حضور داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بابا فرید گنج شکر رحم، حضرت خواجہ معین الدین چشتی سبزی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تو یہ سارا علاقہ ملتان کا پنجاب کا اجمیر اور دہلی کا یہ تو مسلمانوں کا ہو گیا، لیکن جبر سے کوئی مسلمان نہ ہو سکا۔ اور نہ جبر سے کوئی مسلمان کافر ہو سکا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے توبے سے سامانی کے عالم میں اسلام پھیلایا، اور دوسری طرف استقامت کا یہ عالم ہے کہ جب دل مومن ہو جائے تو

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں سید الحبشہ کہتے ہیں، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ جنہیں روم کا سردار کہتے ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں فارس کا سردار کہتے ہیں اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان سارے لوگوں نے اسلام لا کر بے تحاشا مصیبتیں جھیلیں، لیکن ثابت قدم رہے۔

اس کی تفسیر صوفیانہ یہ ہوتی کہ کسی سے ایمان سبباً نہیں لیا جاسکتا۔ ایمان ایک نور ہے جو قلب میں جاگزیں ہوتا ہے۔ اور یہ نور ایمانی یا جسے معرفت کہتے ہیں، یہ چار طریقے سے ملتا ہے۔ ایک تو عطا ئے الہی ہے جو پیدائشی اللہ تعالیٰ نور ایمان دے دے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اپنے پالنے میں تھے۔ پیدا ہوتے کے ساتھ ہی انہوں نے کلام کیا کہ میں اللہ کا نبی ہوں۔ حضرت عوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مادرِ لطن میں تھے تو ولایت کے درجے پر تھے اور یہ نور ایمانی مصیبت اور آفات کے ذریعے سے بھی آتی ہے۔ جب انسان تکلیفوں سے گزرتا ہے اور اس تکلیف پر صبر کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جاتا ہے۔ اور اس قربت سے اسکا نور ایمانی جگمگا اٹھتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں جب کوئی بیمار مریض اپنی مرض پر اللہ کے لئے صبر کرتا ہے تو اس کے گناہ ڈھل جاتے ہیں، اس کا باطن منور ہو جاتا ہے۔ توبۃ النصوح میں ذکر ہے کہ نصوح، آفت میں مبتلا ہو کر توبہ ملتیر ہوتی ہے، اور عیش میں غفلت، مصیبت میں بیداری آجاتی ہے۔

تیسری صورت نور ایمانی کی یہ ہے کہ انہیں صحبت نورانیہ حاصل ہو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے نور عطا فرمایا ہے ان کی صحبت نصیب ہو۔ جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں باطنی طور پر منور ہو گئے ان کے قلب و روح تزکیہ ہو گیا جیسے کہ سورہ بقرہ میں: **وَيُزَكِّهِمْ وَيَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ** والحقمہ : فرمایا ہے۔ اس لئے کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو دوسروں کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہیں۔ آگ میں اگر آپ کو ٹلہ ڈالیں تو اس کا رنگ بھی سُرخ ہو جاتا ہے۔ آگ میں لوہا ڈالیں تو وہ بھی سُرخ آگ کی طرح ہو جاتا ہے۔ تو صحبت نورانیہ اسی لئے طریقت کے اندر صحبتِ شیخ پر اتنا زور دیا گیا ہے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک ایمان کی دو قسمیں ہیں: ایک ہے ایمانِ حقیقی اور ایک ہے ایمانِ رسمی۔ جب ہم اپنی زبان سے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہہ دیتے ہیں تو یہ ایمانِ رسمی ہو گیا۔ لیکن جو ایمان دربارِ یار کی حاضری کے بعد ہو وہ ایمانِ حقیقی ہے۔ اللہ کے کچھ مقربین ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ باطنی آنکھوں سے جنت و دوزخ اور عرش کا نظام دکھا دیتا ہے۔ اگر شیطان ان کو پہکانے کی کوشش بھی کرے کہ تم صرف وعدہٴ حور پر کب تک دنیا کے عیش و عشرت کو ٹھکراتے رہو گے، تو کہیں گے، نہیں میں نے تو اپنی آنکھوں سے جنت و دوزخ کو دیکھا ہے، تم جھوٹ بولتے ہو۔ تو ایمانِ حقیقی وہ ہے جو دربارِ یار کی حاضری کے بعد عیاں ہو۔

اسی طرح کفر کی قسمیں ہیں: **كُفْرٍ نَعْمَتٍ**: اللہ کی نعمتوں کا کفر کرنا، ناشکری کرنا۔ **كُفْرٍ وَحْدَةٍ**: توحید سے اللہ کے ساتھ اور لوگوں کو شامل کرنا۔ اور **كُفْرٍ طَاعَتٍ**: وہ تمام طاقتیں اور عوامل جو اللہ تعالیٰ سے دور کرتے ہیں،

جیسے غفلت، جیسے نفس، جیسے مال اور اولاد، اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو فتنہ کہا ہے۔ سورہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے تین گروہ بیان کئے ہیں ایک میمنہ، ایک مشئمہ، اور ایک سب سے آگے والے۔ تو اصحابِ میمنہ، وہ لوگ ہیں، وہ اصحابِ جمال ہیں ان کے دل کو اللہ نے ملائکہ کے ہاتھوں میں دیا ہوا ہے پاک صاف ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے پاس ان کو کیا کیا نعمتیں ملیں گی۔ اور اصحابِ مشئمہ کیا ہیں؟ یہ صاحبِ ذلال ہیں ان کے لئے ذلت اور رسوائی ہے۔ اس لئے کہ ان کے دل شیاطین کے ہاتھوں میں ہیں۔ اور تیسرے جو ہیں وہ صاحبِ کمال ہیں۔ جن کے لئے اللہ کی طرف سے خاص نعمتیں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہیں؛ ابدال اور اغیاث اولیاء اللہ، اور انبیاء یہ لوگ صاحبِ کمال ہیں۔ ان کے قلوب خاص ربِ جلیل کے ہاتھوں میں ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں اس تیسرے گروہ کا بھی ذکر ہے، جو ہر قسم کے طاغوت سے الگ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **قد تبین الرشد من العنی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ: ان لوگوں نے ہر طرح کے طاغوت، ہر طرح کے تخریبی عوامل سے اپنے کو دور رکھا۔ اپنے قلب کو پاک و صاف رکھا۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھا، اس کی ظاہری چیزوں کو دیکھ کر کے ایمان لایا۔ اور وہ عالمِ مجاز سے نکل کر عالمِ حقیقت میں پہنچا۔ اسکا ایمان، ایمانِ مجازی سے نکل کر ایمانِ حقیقی بن گیا۔ اور پھر انہوں نے اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑ لی۔**

اور یہ ایسی رستی ہے، جسے اللہ تعالیٰ کبھی ٹوٹنے نہیں دیتا۔ لہذا ان کا بہکت ناممکن ہے۔ اور یہ لوگ انبیاء اور خاص اولیاء ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے کچھ اصول مرتب ہوتے ہیں۔ پہلی بات ایمان ایک قلبی کیفیت کا نام ہے۔ دل سے ایمان ہو تو وہی ایمان ہے۔ دوسرا کسی کو مجبوراً مسلمان کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی لالچ اور مجبوری سے مسلمان ہو جائے تو وہ شرعاً مسلمان ہوگا، لیکن اگر مرتد جان کے خوف سے یا جنگ میں کلمہ پڑھ لے تو اسے پھوڑ دیا جائے گا، اسے مارا نہیں جائے گا۔ لیکن اللہ کے نزدیک ایمان کے لئے اخلاص ضروری ہے۔ ایمان عند اللہ اس کے لئے کیا ہے؟ اخلاص ضروری ہے دل بھی اللہ کا گواہ ہو۔ اگر کافر جبراً مسلمان ہو گیا تو بھی اسلام پر قائم رکھا جائے گا۔ مگر جبر یہ ایمان دلے اگر مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ دل سے تو کافر ہی رہتا ہے۔

کفر کے لفظی معنی ہیں انکار یا پھپھانا۔ اور شرعی معنی جو ہیں اسلامی عقائد سے انکار، تو جس نے بھی اسلامی عقائد سے انکار کیا ختم نبوت سے انکار کیا۔ انبیاء کی فضیلت سے انکار کیا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات سے انکار کیا۔ یہ شرعی کفر ہے۔ تو ایمان باللہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات و صفات اس کے احکام اور انبیاء اور مرسل پر ایمان لائے۔ اس لئے کہ اللہ کی توحید تو شیطان بھی مانتا ہے۔ اس نے خود کبھی نہیں کہا کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور شریک ہے۔ اس نے یہی کہا کہ، اے رب! میں تیرے دربار میں معلم الملکوت رہا ہوں، اور تو نے مجھے آدم کو

سجدہ کرنے کو کہا۔ تو امر الہی سے اُسے بغاوت کی، جس کی وجہ سے وہ کافر ہوا۔
توحید سے وہ کبھی نہیں ہٹا۔ لیکن چونکہ اس کو مہلت ملی ہے لوگوں کو بہکانے کی
تو لوگوں کو بہکاتا ہے۔

أَبَ اللّٰہِ تَعَالٰی فرماتا ہے کہ جن کے ساتھ ایمان دیتا ہے ان کے ساتھ
وہ کیا سلوک کرتا ہے : اللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا..... فِیہَا خٰلِدُوۡنَ ؕ
اس آیت مبارکہ کا پچھلی سے تعلق ظاہر ہو گیا۔ پچھلی آیت میں توحید اوصاف اور
ذات الہی کے متعلق بیان تھا۔ اور مومنین اور کفار کا فرق بتایا گیا تھا، کہ مومنین
نے دین کی رستی کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے۔ اور کفار کی رستی کمزور ہے۔ اب دونوں
کا فرق بتایا جا رہا ہے۔ کہ مومنین جو ہیں وہ نور اور روشنی کی طرف آچکے ہیں۔

اندھیرے میں مومن کا والی اللہ تعالیٰ ہے، جو روشنی کی طرف لے
جاتا ہے۔ اور دوسرے گروہ کا والی شیطان ہے جو روشنی سے ظلمت کی طرف لے
جاتا ہے۔ اور مسلمان کا دین مضبوط ہے، ان کی بنیاد پختہ اور قوی ہے، اور اس
ذات پاک کا جو ہر چیز پر قادر ہے۔ ان کے ہاتھ پر ہاتھ ہے : ید اللہ فوق
ایدیہم : اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں ہے، تو یہ آیت جو نازل ہوئی، مومن
اور کافر کا فرق ظاہر کرنے کے لئے۔

یہ ان مرتدین کے لئے بھی ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے
آئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
پر ایمان لاتے تھے۔ ان کی ذات و صفات بیان کرتے تھے، ان کی پیش گوئیاں

کرتے تھے۔ لیکن جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی، تو صرف اس وجہ سے کہ وہ بنی اسرائیل میں نہیں تھے، بنی اسماعیل میں تھے۔ وہ مُرتد ہو گئے۔
 اللہ ولی الذین امنوا: اللہ ولی ہے مومنین کا۔ ولی کسے کہتے ہیں جو قریب ہو، جسے قرب حاصل ہو، جو اعتقاد میں مددگار ہو۔ جو ضرورت پڑنے پر مدد کرتا ہو، تو اللہ تعالیٰ مومنین کا ولی وارث ہے، ان کا مددگار ہے دین میں عقیدے میں ان کی مدد فرماتا ہے۔ اور دوسرا کام کیا کرتا ہے: ۱۰ یخرجہم من الظلمت الی النور ان کونکالکاتبے اندھیرے میں سے اور روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

اے عزیزانِ محترم ازل میں ساری روحوں کو جمع کیا گیا۔ تو کہا: الست ربی: کیا میں تمہارا رب نہیں، تو کچھ لوگوں نے کہا: قالوا بلی: ہاں آپ ہی رب ہیں۔ اس وقت جن لوگوں پر نور کا چھینٹا ڈالا گیا۔ وہ ہمیشہ ایمان کے ساتھ رہیں گے، اور کبھی وہ ظلمات میں پھنس بھی گئے، عارضی کفر اور غفلت میں پھنس بھی گئے، تو اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرماتا ہے اور ان کو بالآخر ایمان پر لے آتا ہے۔ عام مومنین جو اللہ تعالیٰ سے دور ہوتے ہیں۔ ان کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے ان کے دل میں اپنا یعنی اپنے عشقِ الہی اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ڈال دیتا ہے اور وہ اللہ کے اور اُس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو جاتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا ولی ہے، دوست ہے۔ مومن ایک دوسرے کے دوست ہیں، ولی ہیں۔ کفار بھی ایک دوسرے کے ولی ہیں، لیکن انکی ولایت جو ہے، ختم ہونے والی ہے۔ مسلمانوں کی ولایت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ اس لئے کہ

ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور والی میں فرشتے بھی ہو سکتے ہیں، اللہ کی دوسری مخلوق 'ہوا' بھی ہو سکتی ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ بدر میں اللہ نے فرشتوں کو بھیجا، جنہوں نے مسلمانوں کی مدد کی۔ اور غزوہ خندق میں ہوانے مسلمانوں کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ خود یا اپنی مخلوق کو مومنین کا مددگار بنا دیتا ہے : یخرجہم من الظلمت الی النور : 'ظلمات' ظلمت سے ہے، اسکا مطلب ہے اندھیری۔ دل کے لئے کیا چیز ظلمت ہے؟ کفر گمراہی حسد، بغض، گناہ، یہ ساری چیزیں ظلمات ہیں۔ نومومن کو گناہ حسد بغض کی تاریکیوں میں سے نکال کر حسانات کی روشنی میں، نور میں لے جاتا ہے، اور ایمان عرفان رحمت، رحمان اور نیک اعمال کیا ہیں، یہ نور ہیں۔

توجب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : اللہ ولی الذین امنوا... النور :

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو معصیت کی زندگی سے حسد، بغض، اور گمراہی کی زندگی سے نکال کر عرفان، ایمان اور اعمال صالحہ کی روشنی میں لیجاتا ہے : والذین کفروا : اور جو لوگ کفر کرتے ہیں ان کا والی وارث کون ہوتا ہے؟ : اولیٰئہم الطاغوت : ان کے طاغوت ان کے دوست ہوتے ہیں، وہ تخریبی عناصر ہوتے ہیں جو انسان کے قلب و روح کو اللہ سے دور کر دیتے ہیں۔ شیطان اور وہ تمام عوامل، علمائے سو، جھوٹے نبی، جھوٹے اولیاء اللہ سارے لوگ شیطان اور شیطان کے ساتھی یہ سارے لوگ طاغوت میں ہیں۔ یہ کیا کام کرتے ہیں؟ : یخرجونہم من النور الی الظلمت :

یہ کافروں کے دوست، ظالموں کی طاقتیں ہیں جو انہیں ایمان سے عرفان سے، اعمال صالحہ سے نکال کر اعمالِ بد، اعمالِ قبیح اور گناہ، حسد، بغض اور شرک کی طرف لے جاتے ہیں۔ انہیں اگر تھوڑے دنوں کے لئے ایمان مل بھی جائے، تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر، یہود و نصاریٰ کی طرح سے پھر کافر ہو جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ تک تو ایمان کے ساتھ رہیں گے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتوں کے منکر ہو گئے، کمزیر میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، اس کے منکر ہو گئے، تو پھر وہ کافر ہو کر مرے۔ جن پر اللہ تعالیٰ کے نور کا پھینٹا پڑتا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ ظلمات سے نکال کر نور میں روشنیوں میں لے جاتا ہے۔ اس کی مثال انصارِ مدینہ ہیں، وہ کفر اور شرک کی حالت میں تھے۔ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت انہیں نصیب ہوئی، تو اس کے فیض سے اللہ تعالیٰ انہیں ظلمات سے نکال کر نورِ ایمانی کی طرف لے گیا۔

اس آیت کے بھی کچھ اصول مرتب ہوتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے، کہ مومن خواہ کیسا ہی گنہگار کیوں نہ ہو، اس کا نورِ ایمانی، اس کو بد عقیدگی اور بد مذہبی سے دور رکھتا ہے۔ مومن ایمان کے معاملے میں عقیدے کے معاملے میں خراب نہیں ہوتا۔ عقیدہ اس کا درست ہوتا ہے۔ شیطان اور نفس کے ہر کاوے میں آکر اس سے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جب اپنے قلب کی طرف نگاہ کرتا ہے

تو اسے شرمندگی بھی ہوتی ہے اور اپنے کو گنہگار اور خطا کار مانتا ہے۔ اور پھر اللہ سے توبہ کرتا ہے، اور مغفرت مانگتا ہے۔ کافر خواہ کتنا ہی اچھا کام کرے وہ نور ایمان سے محروم ہوتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ اپنی خطا پہ کبھی نادم نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی خود اپنی طاقت اور صلاحیت سے، ظلمت سے نور کی طرف نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ ہر قسم کی ظلمت سے نکلنا محض فضلِ ربّی ہے۔ تیسرا اصول اس سے یہ ہوا، کہ ظلمات سے نور کی طرف جانے کے لئے ولایتِ الہی ضروری ہے۔ لہذا رب کے طالبین کو چاہیے کہ ربِّ محبوبین کی صحبت حاصل کریں۔ جیسا کہ صحابہ کرام اور انصارِ مدینہ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے اپنے باطن کو منور فرمایا۔ اس لئے کہ رب کے محبوبین کا رب خود ہے، اور ابلیس اور اس کی تمام ذریعات، کفار کے والی ہیں۔ اگرچہ ہر خیر و شر، رب کی طرف سے ہے۔: والقدرِ خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ: لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ خیر کو رب سے منسوب کرے اور شر کو خود سے۔

اس سنت کی بنیاد کس نے ڈالی۔ ہمارے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام نے۔ انہوں نے کہا: والقدرِ خیرہ وشرہ..... الموت: یہ تو اللہ کی مرضی تھی۔ لہذا میں نے وہ کھالیا پھل شجرِ ممنوعہ، نہیں انہوں نے کیا کہا: وینا ظلمنا انفسنا.... من الخسرين ۝: "اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اگر آپ نے مجھے معاف نہیں کیا تو پھر تو میں خسارے

والوں میں ہو جاؤں گا۔ تو ہمارے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام نے جو طریقہ ہمارے لئے چھوڑا ہے جو مثال دی ہے کہ خیر کو رت سے منسوب کریں اور شر کو اپنی ذات سے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، یہ ادب کا تقاضا ہے۔

ایک اور اصول یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات کا خیر و شر سب کا خالق ہے مومن و کافر سب کا خالق ہے، سب کا رتبہ ہے۔ وہ ہر ایک کی پرورش کرتا ہے۔ لیکن اس کو ہمیشہ اچھے ناموں سے یاد کرو۔ رتِ العالمین کہو، رتِ العرشِ العظیم کہو، رتِ کعبہ کہو کبھی بھی اس کو رتِ کفار نہ کہو : ورتِ موسیٰ و ہارون : اس طرح سے کہا کبھی کسی نے نعوذ باللہ من ذالک : یا رتِ فرعون نہیں کہا : کہیں نہیں ذکر۔ حالانکہ وہ ہر ایک کا مالک ہے۔ ہر ایک کو پالتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ اچھے ناموں سے یاد رکھنا چاہیے۔

ایک اور اصول اس آیتِ مکرّمہ سے : اللہ ولی الذین اٰمنوا....

الطاغوت : کہ بُرے ساتھی جو ہیں وہ اللہ کا عذاب ہیں۔ شیطان جو ہے وہ ظلمت کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بہکا کر عذاب کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور اچھے ساتھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہیں، کہ وہ آپ کی دستگیری کر کے آپ کو اللہ کی رحمت کی طرف، اُس کی مغفرت کی طرف، اُس کی قربت کی طرف لے جاتے ہیں۔

یہ تو ہوتی عام تفسیر اس کی مختصراً میں آپ کو تفسیرِ صوفیانہ بھی بیان کر دیتا

ہوں۔ صوفیوں کی تفسیر ہمارے مسلک کے مطابق یہ ہے کہ، ایک عالمِ اجسام ہے

اور ایک عالمِ ارواح ہے، عالمِ اجسام جو ہے، وہ ظلمت کا عالم ہے، اور عالم

ارواح، نور کا عالم ہے۔ عالم اجسام میں کونسی چیزیں آتی ہیں۔ آپ کا نفس آتا ہے، آپ کا بُرا خیال آتا ہے، وہم ہے دنیاوی تعلق کا مال و اولاد ہے۔ یہ سب انسان اور اللہ کے درمیان حجابات بن جاتے ہیں۔ اور یہ سب مجموعہ ظلمات ہیں۔ اور عالم انوار جو ہے، یہ نور ہے، ایمان ہے، نیک اعمال ہیں۔ رب تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے سارے معاملات اور محبت کا خود متولی ہے۔ وہ خود منظم کار ہے۔ اس کے سارے معاملات کا دیکھ بھال کرنے والا ہے۔ وہ ایسے بندوں کی کوشش کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے کرم خاص کی وجہ سے انکو ان ظلمات سے نکال کر عالم نور میں لے آتا ہے۔ اور جب وہ عالم نور میں اپنے خاص بندوں کو لے آتا ہے تو پھر ان کے اور اللہ کے درمیان میں حجابات نہیں رہ جاتے۔

اس کے برعکس کفار کے مددگار اغیار ہیں۔ وہ انہیں نورِ ہدایت سے نکال کر نفس اور شکوک و شبہات کے ظلمات میں پھنسا دیتے ہیں۔ حق تعالیٰ، عالم احوال ہے۔ ہر شخص کا حال جانتا ہے۔ اور ہر شخص کو بقدر استطاعت دیتا ہے۔ کافروں کو ان کی استعداد کے مطابق، اور مومنین اور فدا یانِ الہی، اور عشاقِ مصطفیٰ کو ان کی استعداد کے مطابق۔ اور یہی فرق ہے۔ فرعون نے جب کہا: انا ربکم الاعلیٰ: تو یہ عالم ظلمات میں رہ کر اس نے کہا لہذا وہ کافر گردانا گیا۔ اور منصور نے جب کہا: انا الحق: تو عالم انوار میں رہ کر کہا کسی نے ان کو کافر نہیں کہا۔ شریعت کے خلاف تو قتل کا حکم ہو گیا۔ سولی پہ چڑھا دیا لیکن

کسی کی مجال ہمت نہیں تھی کہ ان کو کوئی کافر کہہ سکے وہ مومن ہی رہے۔

تو صوفیائے کرام وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے دل کی بے چینیوں اور
دھم یہ سب ختم ہو جائیں۔ ان کے نزدیک دل کی بے چینیوں کیا ہیں، ظلمات ہیں۔
وہ زندگی کی پریشانیوں سے حرص و ہوا سے نہ انہیں حال کی خوشیاں آنے کی خوشی
ہوتی ہے نہ جانے کا غم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک دل کی بے چینیوں
ظلمات ہیں۔ وہ عالم نور سے عالم ظلمات میں نہیں آنا چاہتے۔ اور ان کے دل کا
چین عالم انوار ہے۔ اس لئے کہ ان کے دل و دماغ میں ہوتا ہے: **الابد کو**
اللہ تطمئن القلوب ط: جان جاؤ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے
اطمینان قلب ہوتا ہے۔

تو جنہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ میرے قلب کا اطمینان کم ہو رہا ہے تو
وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اپنے رب سے دور ہو رہا ہوں۔
اس کے ذکر میں کمی آگئی ہے۔ اس کے تفکر میں اس کے تصور میں کمی آرہی ہے۔
تو وہ اس سے پرہیز کرتے ہیں:- **الابد کو اللہ تطمئن القلوب ط: اسکی**
صوفیانہ تفسیر یہ ہے کہ دل کی بے چینی ظلمات اور دل کا چین نور ہے۔ اس لئے کہ
یہ چین جو ہوتا ہے۔ بذکر اللہ ہوتا ہے۔ اور اللہ کی ذات اللہ کی صفات اللہ
کا نام سزا پانور ہے۔ تو نفس امارہ جو ہے وہ ظلمات ہے۔ روح جو ہے وہ
نور ہے۔ اور مومن کو اللہ تعالیٰ نفس ظلمات سے نکال کر روح کے نور میں داخل
فرماتا ہے۔ اور کافر کو نور سے نکال کر نفس کی ظلمات میں داخل کر دیتا ہے۔ مومن کا

نفس جو ہے، جب رُوح کی صحبت میں رہتا ہے تو وہ منور ہو جاتا ہے۔ اس لئے صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ اپنے نفس کو اپنے قلب کے تابع کرو، تاکہ نفس امارہ جو ہے نفسِ مطمئنہ ہو جائے۔

اور کافر کی رُوح جو نفس کی صحبت میں سیاہ ہو جاتی ہے، اور انسان کا قلب جو ہے وہ نفس اور رُوح کے درمیان میں ہے۔ کوشش کرنا چاہیے کہ دل کا جھکاؤ رُوح کی طرف ہو۔ جس طرح سے دن اور رات ہوتے ہیں۔ کبھی روشنی ہوتی ہے اور کبھی تاریکی ہوتی ہے اسی طرح سے اس قلب پر کبھی رُوح کی روشنی ہوتی ہے اور کبھی نفس کی تاریکی۔ اور یہ آپ کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نور طلب کرتے رہیں اور اس سے دعا کریں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے کہ نفس کی ظلمت کی رات سے نکال کر اس قلب کو رُوح کے دن میں لے آتا ہے۔ جس پر ازل میں نور کا پھینٹا پڑ گیا وہ اگر عارضی طور پر کفر میں آیا بھی تو آخر کار مومن ہی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی سلامتی عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمارا والی و وارث رہے۔ ہمیں ظلمات کی دنیا سے نکال کر اپنے نور کی دنیا میں لے آئے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نفس کو قلب کا تابعدار کرے۔ اور قلب کو رُوح کے انوار سے منور فرمائے، اور اس قلب میں اپنا اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ادب عطا فرمائے۔ اپنا ذکر عطا فرمائے اور اپنے انوار عطا فرمائے۔ اے ربِّ کریم! اس غفل کی برکت سے، اپنے ذکر کی محفل سے، اپنے کلامِ پاک کے بیان کی برکت، اور ظاہری اور باطنی حاجات کی حاجت روائی فرما۔ اے ربِّ کریم

میرے ایک عزیز جمشید اختر قریشی بیمار ہیں ان کے زخم کو اور انکی تکلیف کو بے فزرد
 فرما دے، بے اذیت فرما دے۔ اے رب کریم اپنی کریمی سے اور اپنے جمال و نور
 سے ان کو شفاء عطا فرما۔ جب تک اس دنیا میں رہیں ان کو آرام سے رکھ، اس
 دنیا سے اٹھانا تو آرام سے اٹھانا، ایمان کی سلامتی سے اٹھانا۔ اے رب جن
 جن لوگوں نے مجھ سے دعا کے لئے کہا ان سب کی حاجات ان سب کی تکالیف،
 تیری بارگاہ عالی میں پیش ہیں، تو ان سب پر گرم کی نگاہ ڈال۔ اے رب کریم !
 انہیں عافیت عطا فرما۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ

سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین



يَا رَّةَ تِلْكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَةُ نمبر : ۲۵۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الصَّلٰوَةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

اَلَمْ تَرَ اِلٰی الَّذِیْ حَآجَرَ اِبْرٰهٖمَ فِی رِیْبِهِ
اَنْ اَتٰهُ اللّٰهُ الْمَلٰٓئِكُ مِا ذُقَالَ اِبْرٰهٖمُ
رَبِّی الَّذِیْ یُحٰی وَیُمِیْتُ لَقَالَ اَنَا اُحٰی
وَأُمِیْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِی
بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنْ
الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ط وَاللّٰهُ
لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾

”اے محبوب کیا تم نے نہیں دیکھا تھا اُسے، جو ابراہیم سے جھگڑا

اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اُسے بادشاہی دی

جیکہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے۔ بولا
 میں جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے فرمایا، تو اللہ سورج کو لاتا
 ہے پُرب سے تو اس کو پچھم سے لے آ، تو ہوش اڑ گئے کافر کے
 اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو (۱۲۸)

المترالی الذی..... الملک : اے میرے حبیب ﷺ!
 کیا آپ نے ماضی میں نہیں دیکھا کہ کس طرح اس شخص نے جس کو حکومت دے دی،
 سارے جہانوں کی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے محبت
 کی، جھگڑا کیا۔ : حاج : محبت سے ہے یعنی بحث کرنا غلبہ حاصل کرنے کیلئے۔
 اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا واقعہ بیان فرما رہا ہے۔ نمرود حضرت نوح علیہ السلام
 کی اولاد میں سے تھا۔

کفار میں سے دو بادشاہ ایسے گزرے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا
 پر بادشاہت دی۔ ایک نمرود اور دوسرا شداد۔ اس زمانے میں دنیا کی آبادی بھی مختصر
 تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے حکومت بخشی تھی۔ لیکن بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے
 کے، اس نے اللہ تعالیٰ سے بغاوت کر دی۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ ہر شخص کمال حاصل
 کرنا چاہتا ہے۔ تو جن کو ہدایت ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت میں، عرفان میں،
 فنائیت میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ ایمان میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ جن میں ہدایت
 نہیں ہوتی وہ اختیارات میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ بادشاہت مل جائے تو چاہتے

ہیں کہ لوگ ان کا حکم مانیں۔ ان کو سجدہ کریں۔ لوگ ان کو خدا مانیں۔ یہ بھی کمال کا طریقہ ہے۔
 تو یہاں پر سرکارِ دو عالم ﷺ سے اللہ تعالیٰ پوچھ رہا ہے : العتر : اے
 میرے حبیب ﷺ کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ یہ سوالیہ جملہ ہے، اس کا مطلب ہے،
 آپ نے ضرور دیکھا۔ اے میرے حبیب ﷺ! آپ نے ماضی کے سارے حالات دیکھے
 ہیں۔ کیا آپ نے نمرود کا معاملہ نہیں دیکھا؟ کہ : الی الذی حاج ابراہیم فی
 ربہ : یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعزاز عطا فرمایا کہ، انہوں نے
 میرے بارے میں نمرود سے مناظرہ کیا۔ تو اے میرے محبوب! آپ نے ماضی میں خلیل
 اور نمرود کا مقابلہ نہ دیکھا یعنی آپ نے ضرور دیکھا۔ اس لئے کہ آپ اپنی ولادتِ پاک سے
 پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ خصوصی میں تھے۔ جو کچھ دنیا میں ہو رہا تھا وہ آپ دیکھ رہے تھے۔
 الی الذی : کلمہ مطلب وہ حاکم وقت، اس کی طرف اشارہ ہے یعنی نمرود کی
 طرف۔ اور : حاج : جو ہے تحت سے ہے، مناظرہ کے ذریعے، بحث کے ذریعے،
 جھگڑے کے ذریعے غلبے کی کوشش۔ رُوح البیان میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ نمرود ابن
 کنان ابن سام ابن نوح علیہ السلام۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی چوتھی پشت میں، اولاد ہیں۔
 وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے سب سے پہلے تاج پہنا۔ اور اس نے رعایا پر ظلم کیا، اور
 خدائی کا دعویٰ کیا اس نے ساری دنیا پر بادشاہت کی اور آٹھ سو سال تک رہا۔ چار سو
 سال تک وہ بہت ہی عیش و آرام سے رہا اور دب دبلے اور رعب سے حکومت کرتا رہا
 لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا کیا، (انبیائے کرام یا اولیائے کرام اور ان کے
 وارثین سے جھگڑا کرنا جو ہے، اس کی بہت بڑی سزا ہے) تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے ساتھ اس نے تنازعہ کیا تو چار سو سال تک وہ عذاب میں مبتلا رہا۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ آتشِ نمرود سے پہلے ہوا۔ اس کا جو پایہ بر تخت تھا

وہ بابل میں تھا۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنے کے لئے بہت ہی اونچا قلعہ

بنایا یعنی یہاں سے جنگ کریں گے، اللہ تعالیٰ سے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ آتشِ

نمرود کے بعد ہوا۔ جب آپ نے بت شکنی فرمائی اور پھر نمرود عاجز ہوا اور آخر کار اس

نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس نے آگ میں

ڈالا، تو فرشتوں نے کہا کہ اگر آپ ہمیں حکم دیں تو ہم اس آگ کو بجھا دیں۔ حضرت ابراہیم

نے کہا، میرا دست مجھے دیکھ رہا ہے۔ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے کہ میں کس حال میں ہوں

ہوں۔ اگر وہ چاہے گا تو اس آگ کو بجھا دے گا۔ لہذا میں آپ سے کوئی مدد نہیں لوں گا۔

تب اللہ تعالیٰ نے آگ سے فرمایا: یا نار کونی بردا و سلاما علی

ابراہیم: ”اے آگ تم ٹھنڈی ہو جاؤ اور سلامتی بن جاؤ ابراہیم کے لئے“ اور

وہ گلزارِ خلیل بن گئی۔ رُوحانی رُبوبیت کے فیوض صرف اولیاء اللہ کے سٹلے سے بنتے

ہیں۔ جیسے یہاں خصوصیت کر دی گئی ہے، تخصیص کر دی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

سے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ،

حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم السلام جیسے بزرگوں کے ساتھ منسوب کرنا چاہیے اس کو

نمرود کا رب اور فرعون کا رب نہیں کہنا چاہیے حالانکہ وہ سب کا رب ہے۔

دوسری بات یہ تھی کہ: الحر والی الذی: کی توصیف اللہ تعالیٰ نے

فرمائی: ان اشہ اللہ المملک: اس شخص نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا

کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے ساری دُنیا کی بادشاہت دی تھی۔ سارے جہاں میں بادشاہ صرف چار گزرے ہیں اس میں دو مومن ہیں اور دو کافر ہیں۔ کافر میں ایک تو نمرود ہے۔ اور دوسرا شداد نخت نصر ہے جس نے جنت بنائی تھی یمن کے جنگلوں میں۔ اور مومن دو گزرے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ایک حضرت سکندر، ذوالقرنین بھی جن کو کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا دلیل دی؟ : اذ قال ابراهیم ربی الذی یحیی و یمیت : جب ایک دفعہ بہت ہی قحط پڑا اور نمرود اپنی رعایا میں غلے بانٹ رہا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی وہاں غلہ لینے کے لئے بوری لے کر گئے۔ تو نمرود نے کہا کہ جو مجھ کو کہے گا مجھ پہ ایمان لائے گا، میں اسکو غلہ دوں گا، تو جو کہتا کہ نمرود تو میرا خدا ہے۔ : نعوذ باللہ من ذالک : اسکو وہ غلہ دیتا تھا اور جو انکار کرتا تھا! اس کو وہ غلہ نہیں دیتا تھا۔

تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام غلہ لینے گئے تو، اُس نے کہا : ابراہیم میں تم کو غلہ اس وقت دوں گا جب تم میری خدائی کو مانو گے۔ تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا کہا : اذ قال ابراهیم ربی الذی : یعنی میرا رب : الذی : وہ ذاتِ پاک ہے : یحیی و یمیت : جو زندہ کرتا ہے، جلاتا ہے، اور مارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ : یحیی و یمیت : زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے۔ تو نمرود نے دو قیدیوں کو بلایا، اور ایک قیدی کو قتل کر دیا اور ایک قیدی کو چھوڑ دیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ دیکھو۔ میں بھی تو زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ میں نے ایک کو زندہ چھوڑ دیا

اور ایک کو مار ڈالا۔

اس مناظرے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ کہ مڑے کو زندہ کر دیا۔ بلکہ یہ ایک مشکل کام تھا، اس لئے آسان طریقہ استعمال کیا اور ایک دوسری دلیل دی وہ کیا ہے؟ قال ابرہہم: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: فان الله ياتي بالشمس من المشرق: میرا رب تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو تم اگر رب ہو تو تم اس کو مغرب سے نکال دو۔ تو پھر اس کے پاس کوئی جواب نہ بنا۔

لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بجائے اس کے تم باذن اللہ کہتے، کسی مڑے کو زندہ کرتے وہ کام تو ان کے بہت بعد میں ان کی اولاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کرنا تھا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دین کے مبلغین کے لئے یہ ایک مثال چھوڑی کہ جو کام آسان طریقے سے ہو سکتا ہے اسے آسان طریقے ہی سے کر دو۔ مشکل طریقے سے نہ کرو۔ تو آسان طریقہ یہ تھا کہ وہ کوئی اور دلیل دیتے جس سے کہ وہ لاجواب ہو جاتا۔ اب اس کی بے چارگی کا اللہ تعالیٰ ذکر کرتا ہے: فبہت الذی کفر: وہ اپنے کفر پر کافر و منکر حیران ہو گیا: واللہ لا یهدی القوم الظالمین: بے شک اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو ظالموں کو گنہگاروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

باوجود اس کے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو لاجواب کر دیا تھا پھر بھی وہ ایمان نہ لایا۔ اس میں تھوڑا سا میں آپ کو: یحیٰ ویمیت: اللہ تعالیٰ زندہ

کرتا ہے اور مارتا ہے۔ یہ زندگی عطا کرنا اس کے بہت سارے پہلو ہیں۔ اللہ تعالیٰ اجسم کو (جسم مُردہ ہوتا ہے) جان سے زندگی عطا فرماتا ہے اور یہ اس کی عجیب شان ہے کہ بے سبب کرتا ہے۔ ماں کے رحم میں بے جان خون کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ اس کو وہ جان عطا فرماتا ہے اور وہاں وہ اس کو پالتا پوستا ہے نہ وہاں پر ہوا ہے، اور نہ دودھ ہے، نہ ڈال، روٹی ہے۔ کوئی بظاہر غذا نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس بے جان خون کے لوتھڑے کو زندگی عطا فرماتا ہے۔

یا انڈے کے اندر زردی اور سفیدی بند ہوتی ہے بالکل Sealed نہ ہو اپہنچ سکتی ہے نہ غذا پہنچ سکتی ہے، لیکن اس میں وہ چوزہ جو ہے اس میں جان ڈالتا ہے اور اس سے ایک رفیق سی چیز جو ہے زردی اور سفیدی جسے ہم کھالیتے ہیں۔ اس سے وہ ایک جان دار چیز، ایک پرندہ پیدا کرتا ہے۔ تو یہ، اللہ تعالیٰ اجسم کو جان دیتا ہے۔ اور جان کو زندگی کیسے دیتا ہے۔ ایمان سے زندگی دیتا ہے۔ اور جسم کے اندر ایک چیز ہوتی ہے دل، اس کو زندہ کیسے کرتا ہے؟ دل کو عرفان سے زندہ کرتا ہے۔ اپنی پہچان کر کے اور دماغ کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ عشق کی شراب پلا کر۔ اور زمین کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ سبزہ سے اور کنوؤں اور تالابوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ پانی سے۔ آبِ رواں سے۔

اسی طرح قومیں بھی مُردہ ہوتی ہیں اور زندہ ہوتی ہیں۔ قوموں کو وہ کیسے زندگی عطا فرماتا ہے؟ اتحاد اور اتفاق سے۔ ملک کو زندگی کیسے عطا فرماتا ہے؟ ملک کیسے قائم رہتا ہے؟ عادل سلطان سے۔ جان نکل گئی تو جسم مُردہ ہو گیا۔ اور

سرفان نہیں ہے تو دل مردہ ہے۔ اور عشق الہی نہیں ہے، تو دماغ مردہ ہے۔ اور سبزہ نہیں ہے تو زمین مردہ ہے۔ پانی نہیں ہے تو دریا مردہ ہے جیسے ہمارے چولستان وغیرہ کے دریا ہیں۔ صرف ان کا ایک نشان باقی رہ گیا ہے۔ ان کی لاش پڑی ہوئی ہے دریاؤں کی، وہ زندہ نہیں ہیں۔

فبہت : اس کا مطلب ہے حیرانی۔ پس وہ حیران رہ گیا۔ پریشان۔ حیرانی ہمت کو کہتے ہیں بہتان کا لفظ استعمال ہوتا ہے، غلط الزام لگانے کو بہتان لگانا کہتے ہیں۔ اس لئے کہ جس پر غلط الزام لگتا ہے، وہ سن کر حیران ہو جاتا ہے۔ تو یرت کی طرف سے حیران کر دیئے گئے۔

اس کی تفسیر یہ ہوئی کہ نمرود تمام دنیا کا بادشاہ تھا۔ اور اس کا پایہ تخت بابل تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا تو اس نے آپ کو قید کر دیا۔ مگر آپ بت شکنی سے باز نہ آئے۔ لہذا اس نے قید سے نکال کر آگ میں ڈال دیا۔ رب تعالیٰ نے آگ کو گلزار بنا دیا: یا نادر کوئی بردا و سلاما علی ابراہیمؑ اور کچھ دنوں کے بعد قحط سالی ہوئی، نمرود نے غلہ تقسیم کیا تو جو غلہ لینے آتا تو وہ پوچھتا، تیرت کون ہے؟ جو کہتا نمرود، اُس کو غلہ دیا جاتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی گئے اور آپ یہاں اللہ تعالیٰ کی شان دیکھے گا کہ کس طرح سے وہ اپنے پیاروں کو کھلاتا پلاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی گئے آپ سے بھی یہی پوچھا، آپ نے کہا جو زندگی اور موت دیتا ہے۔ آپ نے کہا: ربی الذی یحیی و یمیت : اس نے کہا یہ قدرت تو مجھ میں ہے، پھر دو قیدی بلائے ایک

کو قتل کر دیا، ایک کو چھوڑ دیا اور کہا کہ اس قاعدے کی رُو سے تو میں بھی ربت ہوا۔
 اس لئے کہ میں زندگی بھی دیتا ہوں موت بھی دیتا ہوں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
 دوسری مثال دی کہ ربت تو مشرق سے سورج نکالتا ہے تو مغرب سے نکال دے،
 اس مثال پر وہ حیران رہ گیا اور کہا جاؤ تمہارے لئے میرے پاس غلہ نہیں ہے۔
 چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس گئے۔ راستے میں ایک ٹیلہ تھا ٹیلے پر ریت تھی۔
 ریت سے انہوں نے بوری بھری اور وہ بوری لاد کر گھر چلے آئے اور اُسے گھر پر رکھا
 انہوں نے، اور سو گئے۔ حضرت سارہ علیہا السلام نے سمجھا کہ وہ گہوں لاتے ہیں۔ لہذا
 آپ نے جب وہ بوری کھولی تو اس کے اندر سے بہترین قسم کا گہوں نکلا۔ اللہ تعالیٰ
 کے کرم سے۔ انہوں نے فوراً اُسے پیا، اور اُس کی روٹی بنائی۔ تھوڑی دیر کے بعد
 جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اُٹھے تو انہوں نے روٹی پیش کی، تو آپ نے پوچھا یہ کہاں
 سے آئی؟ انہوں نے کہا کہ، آپ جو بوری لائے تھے۔ اُس سے پکاٹی ہے۔ آپ نے
 کہا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے بندوں کو رزق پہنچاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ انسانی صورت میں بھیجا۔ اور اس نے فرود سے آ
 کر کہا کہ تیرا ربت کہتا ہے کہ تو مجھ پر ایمان لا۔ تو پھر ہم تیری سلطنت برقرار رکھیں گے۔
 اُس نے کہا ربت تو میں ہی ہوں، تین دفعہ یہ واقعہ ہوا۔ تین دفعہ فرشتے آئے، تینوں
 دفعہ یہی جواب ملا، تو پھروں کا ایک لشکر آیا۔ جس طرح بڑی دل آتا ہے، تو آسمان
 اور زمین دونوں بھر گئے، پھروں سے۔ اور ان پھروں نے اس کے لشکر کے جتنے
 سپاہی تھے، سارے کے سارے پوزی فوج کو فرود کی آنکھوں کے سامنے تکر بولی کر دیا،

اور اس کے اتنے عظیم لشکر کا صفایا کر دیا جس کے سہارے وہ ساری دنیا میں سلطنت کرتا تھا صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔

اس کے بعد ایک مچھر آیا اور اس کے دماغ میں گھس گیا۔ چار سو سال تک وہ مچھر اسکو کاٹتا تھا اور نمرد کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اور اس کو آرام ملتا تھا اس وقت جب کوئی اسکو جوتے مارتا تھا یا تھپڑ مارتا تھا، سر پر۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ جو کوئی اس سے ملنے آئے اس کے سر پر چوتے مارے اور تھپڑ مارے، تاکہ اسکو آرام ملے۔ تو چار سو سال تک اس پر یہ عذاب ہوتا رہا۔ کہ جوتے اور تھپڑ کھاتا رہا۔ اور آخر میں وہ اسی میں ختم ہو گیا۔

اس آیت کے کچھ اصول مرتب ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار سے مناظرہ سنتِ انبیاء ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مناظرہ کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا نمرد سے۔ دوسرا اصول یہ کہ مناظرے میں اگر مقابل آسان طریقے سے شکست کھائے تو مشکل طریقہ اختیار نہ کرنا چاہیے۔ تیسرا یہ کہ انبیاء سے مقابلے کا انجام بُرا ہے۔ ہمارے سامنے دو مثالیں ہیں، فرعون اور نمرد کا حشر۔ فرعون غرق ہو گیا اور نمرد مچھر کے عذاب میں چار سو سال تک مبتلا رہا۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دُنیا میں کفار کو بھی حکومت اور تخت دے دیتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُنیا عطا کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ جیسے کفار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ تم سے رب راضی ہے تم تو غربت میں ہو، تم لوگ تو غریب ہو، مسکین ہو۔ رب تو ہم سے راضی ہے کہ ہمیں حکومت بھی دی ہوئی ہے،

دولت بھی دی ہے امارت بھی دی ہوتی ہے یہ بات غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیاوی عطا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ چور، ڈاکو اور اسمگلر کے پاس اگر دولت ہے اور رشوت خور کے پاس دولت ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ راضی ہے ان سے۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ مال مومن کے لئے ذریعہ ہدایت ہے اس لئے کہ وہ مال کو اللہ تعالیٰ کے شکر کے لئے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے اور کافر کیلئے ذریعہ گمراہی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی سلطنت دی حکومت دی۔ بادشاہت دی تو اس کے ذریعے سے وہ اللہ تعالیٰ کے اور قریب ہو گئے۔ اور شہاد اور غرود کو ساری دنیا کی حکومت دی۔ تو وہ دونوں کفر میں پڑ گئے، گمراہی میں پڑ گئے۔ اصلاح قلب کی طرف مائل ہونا۔ اللہ کی طرف قدم بڑھانا۔ یہ فضل الہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے سرکشی، اللہ تعالیٰ کے غضب کی نشانی ہے۔ جو لوگ اللہ کے راستے میں جاتے ہیں سمجھ لینا چاہیے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ سے سرکشی کرتے ہیں تو جاننا چاہیے کہ ان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔ اور حالت غضب میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان اور اس کا پتہ کائنات کے ذرے ذرے میں ہے، پھول میں ہے، پتے میں ہے۔ زمین میں ہے، آسمان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرفان اس سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کلام پاک میں بتاتا ہے کہ مجھے پہچانو میری قدرت سے۔ میں ہی ہوں جو پانی کو چادر کی طرح آسمان پر لے جاتا ہوں، اور جہاں پانی نہیں ہوتا وہاں پر برساتا ہوں، میں ہی ہوں جو خالق ہوں، میں بیج سے، گٹھلیوں سے پودے

نکالتا ہوں بے جان چیزوں سے، خشک زمین کو سرسبز کرتا ہوں۔ میں ہی زندہ کرتا ہوں میں ہی چلاتا ہوں، میں نے ہی قمر بنائے، شمس بنائے، ستارے بنائے۔ تو سارا عالم ہماری ذات کا پتہ ہے۔ مگر یہ پتہ کامل نہیں ہے۔

اللہ کا کامل پتہ کون ہیں؟ اولیاء اللہ ہیں۔ ان کے ذریعے سے اللہ کا حقیقی عرفان حاصل ہوتا ہے۔ اس آیت کی ایک مختصر سی صوفیانہ تفسیر بھی ہے۔ اسکا میں نے پہلے اشارتاً عرض بھی کیا تھا۔ کہ طلبِ کمال جو ہے وہ فطرتِ انسانی ہے۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ کمال حاصل کرے۔ لیکن طالبینِ کمال جو ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کے ساتھ تائیدِ الہی نہیں ہوتی جیسا کہ نمرود اور شداد؛ اور فرعون، وہ فقط دنیا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ کمال حاصل کر رہا ہے۔ لیکن وہ نیچے گرتا رہتا ہے۔ اور حُبِّ مال اور حکومت کو اور دنیاوی کمال سے خود کو رت جانا شروع کر دیتا ہے کہ اب تو میرے پاس سارا خزانہ آگیا۔

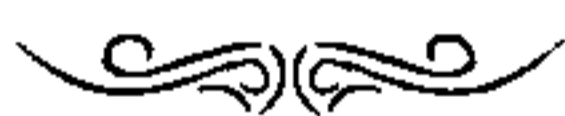
دوسرے جو طالبینِ کمال ہیں وہ ہیں جن کے ساتھ تائیدِ الہی ہے۔ وہ کون ہیں؟ وہ پیغمبر ہیں۔ وہ عالم ہیں، جن طالبین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے۔ وہ کس سے استفادہ کرتے ہیں۔ پیغمبر سے۔ اس لئے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے کمال عطا فرمایا ہے۔ عالم سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے ہی کمال عطا فرمایا ہے اور اولیاء اللہ سے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عرفان میں کمال عطا فرمایا ہے۔ تو جب کسی طالب کے ساتھ تائیدِ الہی ہوتی ہے، تو وہ پیغمبرِ عالم یا ولی کا دامن تھام لیتا ہے، ایسے لوگ جو ہیں وہ ماسوا اللہ سے پرہیز ہی کو کمال جانتے ہیں بزرگوں کو کہنا یہ ہے کہ عوام کا تقویٰ ہے،

اور امر پر عمل کرنا تو اہی سے بچنا۔ اور خواص کا تقویٰ ہے، ما سوا اللہ کے ہر ایک سے پرہیز کرنا۔ تو یہ لوگ جو ہیں، ما سوا اللہ سے پرہیز ہی کو کمال جانتے ہیں۔ اور ہر شاہدے سے رب کی دلیل پاتے ہیں۔ اور اپنے وجود کو واجب الوجود میں فنا کر دیتے ہیں۔ اور اپنی قدر ہستی کو بحر عبدیت میں گم کر دیتے ہیں۔ فنا فی اللہ بقا باللہ ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب پر فضل و کرم فرمائے۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔ ہم اس کے محبوبین سے استفادہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں قدم اٹھانے میں اپنی تائید ہمارے ساتھ کرے۔ ہمیں ایمان عطا فرمائے، اور ایمان کی سلامتی عطا فرمائے اس نے اپنے کرمی سے جو نسبتیں ہمیں عطا فرمائی ہیں ان نسبتوں میں استقامت عطا فرمائے۔

آمین

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین ۞



بَارَةٌ تِلْكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَاتُ نَهْرٍ: ٢٥٨ - ت - ٢٥٩

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَعَلَى الْإِلَهِ وَأَصْحَابِكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

الْمُتَرِّ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي
رَبِّهِ أَنْ أَنَّهُ اللَّهُ الْمَلِكُ مَرَّادُ قَالَ
إِبْرَاهِيمُ رَبِّي الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ
قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ ط قَالَ إِبْرَاهِيمُ
فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ
فَأْتِي بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي
كَفَرَ ط وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٢٥٨﴾
أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ
عَلَى عُرُوشِهَا ط قَالَ أَنِي يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ
بَعْدَ مَوْتِهَا ط فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ
ثُمَّ بَعَثَهُ ط قَالَ كَمْ لَبِثْتُ قَالَ لَبِثْتُ

يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَئِبْتُ مِائَةَ عَامٍ
فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَابِكَ وَشَرَايِكَ لَمْ يَتَسَنَّهُ
وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ
وَانظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِرُهَا ثُمَّ
نَكْسُوهَا حِمَاءً فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۖ قَالَ أَعْلَمُ
أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٥٩﴾

اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا اُسے جو ابراہیم سے جھگڑا
اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اُسے بادشاہی
دی جبکہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے
بولا میں جلاتا اور مارتا ہوں، ابراہیم نے فرمایا تو اللہ سورج
کو لاتا ہے پورب سے، تو اس کو پچھم سے لے آ، تو ہوش
اڑ گئے کافر کے، اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو ﴿١٥٨﴾ یا اس
کی طرح جو گزرا ایک بستی پر، اور ڈھٹی پڑی تھی اپنی چھتوں پر
بولا اسے کیونکر جلائے گا۔ اللہ اس کی موت کے بعد، تو اللہ
نے اُسے مُردہ رکھا سو برس پھر زندہ کر دیا۔ فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا
عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم فرمایا نہیں تجھے سو برس گزر
گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بونہ لایا، اور
اپنے گدھے کو دیکھ کہ جن کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں، اور یہ

اس لئے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور ان ہڈیوں
 کو دیکھ کیونکہ ہم انہیں اٹھان دیتے، پھر انہیں گوشت پہناتے
 ہیں۔ جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا، بولائیں خوب جانتا ہوں
 کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

میں نے آپ کے سامنے ۲۵۸ تا ۲۵۹ آیات سورۃ البقرہ کی تلاوت کی
 ہے۔ پھلی نشست میں ۲۵۸ آیت کی تفسیر آپ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ یہ مومن
 اور کافر کا فرق ظاہر کرنے کے لئے کہ مومن کا دالی تو اللہ تعالیٰ ہے اور کفار کا دالی اور
 دوست شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کریمی سے مومنین کو اندھیروں سے نکال کر نور
 میں لے آتا ہے روشنی میں لے آتا ہے۔ اور شیطان کفار کو، مرتدین کو روشنی سے
 نکال کر ظلمت کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرف
 جو سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کی نبوت پر ایمان لائے تھے۔ لیکن
 بعثت کے بعد وہ مرتد ہو گئے۔ اپنے دین سے بھی اس لئے کہ وہاں بشارت تھی اور
 انہوں نے ہمارے دین کو بھی قبول نہیں کیا۔

میں نے اس سلسلے میں اس کی تفسیر بیان کی تھی۔ اور صوفیانہ تفسیر بھی بتائی
 تھی۔ مزید عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مومنین کے ۳ طبقے ہیں: ایک عام، ایک خاص، اور
 ایک خاص الخاص جیسے کہ مریدین کے بھی ہر ایک کے الگ الگ طبقے ہیں تو اسی
 لحاظ سے ظلمت اور نور کے تین درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ مومنوں

کو ظلمت سے نکال کر نور میں لے جاتا ہے۔ تو عام مسلمانوں کو تاریکی کو اور ضلالت سے نکالتا ہے، اور نورِ ایمان اور ہدایت کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ عام مسلمانوں کے لئے: **يُخْرِجُ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ**: کی تفسیر ہے۔ تو خواص کو وہ نفسانی ظلمتوں سے رحمانی، ربّانی انوار کی طرف نکالتا ہے۔ نفس کے اندھیروں سے نکال کر ربّ کے اُجلے میں لے جاتا ہے۔

جس طرح نور کی قسمیں ہیں، اسی طرح ظلمتوں کی قسمیں ہیں۔ ایک ظلمتِ طغیانی ہے، جو نافرمانی پر اُکساتی ہے، اس کا توڑ کیا ہے؟ اس کا توڑ نورِ ایمانی ہے۔ جب سینے میں نورِ ایمانی ہوتا ہے تو بغاوت فرو ہو جاتی ہے نفس پر قابو ہو جاتا ہے، اور ایک ظلمتِ عصیانی ہے۔ یعنی گناہوں سے جو تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا توڑ وہ نورِ غفراتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب معاف کر دیتا ہے تو وہ ظلمت دور ہو جاتی ہے۔ اسی لئے جو طریقت کی راہ میں قدم رکھتا ہے، اس کا پہلا سبق؛ ذکر کے ساتھ استغفار پڑھنا۔: **رب اغفر وارحمر وانت خیر الراحمین** ۵ : رات کو پڑھنے کے لئے یہ وظائف میں شامل ہوتا ہے اس سے کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ قلب کی تاریکیاں دور ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ قلبِ آئینہ کی طرح بن جاتا ہے۔ اور ظلمتِ نفسانی، نفس کا ظلم ہے۔ اس کا توڑ نورِ عرفانی ہے، یعنی اللہ کی پہچان سے نفس کی ظلمت دور ہو جائے گی۔ اور ایک ظلمتِ فنا ہے؛ اس کا توڑ بقا ہے۔ سالک کے لئے مشغولِ دنیا ظلمت ہے؛ یعنی دنیا میں اس طرح مشغول ہو جانا کہ اللہ کی طرف جو فرائض ہیں وہ انسان بھول جائے اور خطا ہونی شروع

ہو جائے کہ آج فلاں جگہ جانا ہے۔ جیسے کہ آج درس میں نہیں آئے فلاں جگہ جانا ہے، اس لئے حلقے میں نہیں آئے۔ تو یہ مشغولیتِ دنیا ہے اس کا توڑ فتناء فی اللہ بقا باللہ ہے۔

اب یہاں تو اللہ نے یہ فیصلہ صادر فرمادیا کہ مومنین کے ساتھ اللہ ہے، اور کفار کے ساتھ شیطان۔ اب اللہ تین (۳) مثالیں دے رہا ہے کہ: کس طرح سے اللہ تعالیٰ مومنین کا ساتھ دیتا ہے۔ کس طرح سے انکی مدد کرتا ہے: الم تر الے الذی۔۔۔ اتھ اللہ الہدک م: اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ماضی میں نہیں دیکھا کہ کس طرح اس شخص نے جس کو اللہ نے حکومت دے دی سارے جہان کی۔ اس نے اللہ کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حجت کی اور بھگڑا کیا۔ حاجہ: جو ہے حجت سے ہے، یعنی بحث کرنا غلبے کے لئے۔ غلبہ حاصل کرنے کیلئے۔ بحث کرنا کہ ہم اس میں جیت جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ نمرود حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ اور کفار میں سے دو ایسے بادشاہ گزرے ہیں جن کو اللہ نے ساری دنیا کی بادشاہت دی۔ ایک نمرود اور دوسرا شداد۔

اس دور میں دنیا کی آبادی بھی مختصر تھی، حضرت آدم علیہ السلام کی اور حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد تھی۔ تو اس کو اللہ نے حکومت بخشی تھی۔ لیکن بجائے اسکو اللہ کا شکر ادا کرنے کے اس نے اللہ سے بغاوت کر دی۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ ہر شخص جو ہے وہ کمال حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو جن کو ہدایت ہوتی ہے وہ اللہ کی اطاعت

میں فنائیت میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ ایمان میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ جنہیں ہدایت نہیں ہوتی نہ وہ اختیارات میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ کہ بادشاہت مل جائے، اور لوگ ان کا حکم مانیں۔ لوگ ان کو سجدہ کریں اور خدا مانیں۔ یہ ان کے کمال کا طریقہ ہے۔

تو یہاں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ پوچھ رہا ہے: الاحقر: اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ ضرور دیکھا! یہ جملہ ہے اس کا مطلب ہے، آپ نے ضرور دیکھا۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔ ماضی کے تو سارے حالات آپ نے دیکھے ہوئے ہیں۔ آپ نے کیا نمرود کا معاملہ یا قصہ نہ دیکھا؟ یعنی آپ نے ضرور دیکھا۔ اس لئے کہ آپ ولادتِ پاک سے پہلے اللہ کی بارگاہِ خصوصی میں تھے، جو کچھ دنیا میں ہو رہا تھا وہ آپ دیکھ رہے تھے۔ تو یہ: الاحقر: کا مطلب ہے کہ آپ نے ضرور دیکھا۔: الی الذی: کا مطلب۔ وہ حاکمِ وقت۔ اس کی طرف اشارہ ہے، نمرود کی طرف۔ اور: حاج: جو ہے یہ حاجت سے ہے۔ حجة یعنی غلبہ کی کوشش۔ مناظرے کے ذریعے بحث کے ذریعے جھگڑے کے ذریعے غلبے کی کوشش۔

رُوحُ البیان، میں اس کی تفسیر ایسے ہے۔ نمرود ابن کنان ابن سام ابن نوح علیہ السلام۔ یعنی نمرود چوتھی پشت میں حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے سب سے پہلے تلج پہنا۔ اور اس نے رعایا پر ظلم کیا اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ اس نے ساری دنیا پر بادشاہت کی اور آٹھ سو (۸۰۰) سال تک رہا۔ چار سو (۴۰۰)

سال تک وہ بہت ہی عیش و آرام سے مزے اور رعب سے حکومت کرتا رہا، لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا ہوا۔ انبیاء سے، ان کے وارثین سے، اولیاء سے، جھگڑا کرنا جو ہے اس کی بہت بڑی سزا ہے۔ تو جب اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تنازعہ کیا تو چار سو (۴۰۰) سال تک وہ عذاب میں رہا۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ مناظرہ آتش فرود سے پہلے ہوا اس کا جو پایہ تخت تھا وہ بابل میں تھا اور اس نے اللہ سے مقابلہ کرنے کے لئے بہت ہی اونچا قلعہ بنایا کہ ہم یہاں سے جنگ کریں گے اللہ تعالیٰ سے۔ جب آپ نے بت شکنی فرمائی اور پھر فرود عاجز ہوا اس سے۔ اور آخر کار اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا، تو فرشتوں نے کہا کہ آپ اگر ہمیں حکم دیں تو ہم اس آگ کو بجھا دیں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلعت کی یہ انتہا تھی، انہوں نے کہا: میرا دوست مجھے دیکھ رہا ہے۔ میرا بت مجھے دیکھ رہا ہے، میں کس حال میں ہوں، اگر وہ چاہے گا تو اس آگ کو بجھا دے گا۔ لہذا میں آپ سے کوئی مدد نہیں لوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ سے فرمایا: یا نار کوئی بردا و سلاما علی ابراہیم: اے آگ تم ٹھنڈی ہو جاؤ اور سلامتی بن جاؤ ابراہیم کے لئے۔ اور وہ گلزارِ خلیل بن گئی۔ یہاں جیسے میں نے کہا: حاج ابراہیم فی ربہ: اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حاجت ہے پھر اللہ کے بارے میں انہوں نے مناظرہ فرمایا۔ حجت کی۔

اللہ تعالیٰ ویسے تو سارے عالم کا رب ہے۔ لیکن وہ خصوصی رب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کا ہے۔ اور اگرچہ وہ ساری مخلوق کا رب ہے۔ لیکن روحانی ربوبیت کے فیوض

صرف اولیاء اللہ کے مسئلے سے بنتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو اچھے لوگوں کے ساتھ منسوب کرنا چاہیے۔ جب وہ جادو گروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دربار میں لے گئے۔ تو انہوں نے کیا کیا۔ جب انہوں نے عصا چھوڑا وہ اتر دھا بن گیا اور اس نے ان جادو گروں کے سانپوں کو کھالیا۔ تو انہوں نے کیا کہا؟ کہ ”ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔“ اللہ تعالیٰ کی ذات کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ، حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام جیسے بزرگوں کے ساتھ منسوب کرنا چاہئے۔ ان کو نمرود کا رب یا فرعون کا رب نہیں کہنا چاہیے حالانکہ وہ رب سب کا ہے۔

دوسری بات اللہ نے فرمائی اس آدمی کی : السمتر الی الذی : کی توصیف اللہ تعالیٰ نے فرمائی : ان اتہ اللہ الملک : اس شخص نے جھگڑا کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ کے بارے میں جس کو اللہ نے ساری دنیا کی بادشاہت دی تھی۔ سارے جہاں کے بادشاہ صرف چار گزرے ہیں اس میں دو مومن ہیں، اور دو کافر ہیں۔ کافر میں : ایک تو نمرود ہے، اور دوسرا بخت نصر جسے شدا دہتے ہیں، جس نے جنت بنائی تھی یمن کے جنگلوں میں۔ اور مومن دو گزرے ہیں : ایک حضرت سلیمانؑ اور حضرت سکندر جن کو ذوالقرنین بھی کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا دلیل دی : اذ قال ابراہیم ربی الذی یحییٰ و یمیت : ایک دفعہ بہت ہی قحط پڑا۔ اور نمرود اپنی رعایا میں غلہ بانٹ رہا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی وہاں غلہ لینے کے لئے بوری لے گئے، تو نمرود نے کہا کہ جو مجھ پر ایمان لاتے گا کہ میں رب ہوں، میں اس کو غلہ دوں گا۔ تو جو لہتا تھا، نمرود، تو

سچ میرا خدا ہے (نخوذ بالله من ذلك) تو وہ اس کو غلہ دے دیتا تھا۔ اور
 اور جو انکار کرتا تھا اُس کو نہیں دیتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی گئے تو اس نے کہا
 یہ موقع اچھا ہے، تو اس نے کہا کہ یہ فاقے کے ڈر سے کہیں گے؟ اس نے کہا میں تم
 کو غلہ اس وقت دوں گا جب تم میری خُدائی کو مانو گے۔ تو اس کے جواب میں حضرت
 ابراہیم علیہ السلام نے کیا کہا: اذ قال ابراهيم: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کہا:
 ربی: میرا رب: الذی: وہ ذاتِ پاک ہے: یحییٰ ویمیت: جو زندہ کرتا ہے، اور مارتا ہے،
 زندگی اور موت اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ تو فرودنے کیا کہا؟ فرودنے دو قیدیوں کو بلایا۔ ایک قیدی کو قتل کر دیا
 اور ایک کو چھوڑ دیا دیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ دیکھو میں بھی تو زندہ کرتا ہوں
 اور مارتا ہوں میں نے اس کو زندہ چھوڑ دیا اور اُس کو مار ڈالا۔ تو اس کا اللہ فرماتا ہے
 قال اننا احی و امیت: اُس نے کہا یہ کیا بات ہوئی، تم کہتے ہو میرا رب وہ ہے
 جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تو میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ایک کو مار
 ڈالا، اور دوسرے کو زندہ چھوڑ دیا۔ اس مناظرے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے
 کوئی معجزہ نہیں دکھایا، کہ مُردے کو زندہ کر دیں، اللہ کے حکم سے، آسان طریقہ
 استعمال کیا۔ ایک دوسری دلیل دی، وہ کیا ہے؟ قال ابراهيم: حضرت ابراہیم علیہ
 السلام نے فرمایا: فان الله ياتي بالشمس..... من المغرب: میرا رب اللہ تعالیٰ
 تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تم اگر رت ہو، تو تم اس کو مغرب سے نکال دو،
 تو اس کے پاس کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اگر مُردہ کو زندہ کرتے، تو وہ کام تو ان کے بہت بعد

ان کی اولاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کرنا تھا۔ اللہ نے ان کی اولاد کو اعزاز دیا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دین کے مبلغین کے لئے یہ ایک مثال چھوڑی کہ جو کام آسان طریقے سے ہو سکتا ہے۔ اسے آسان طریقے ہی سے کر دو۔ آسان طریقہ یہ تھا کہ کوئی اور دلیل دیتے جس سے کہ وہ لاجواب ہو جاتا۔ تو انہوں نے کہا: ”میرا رب تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تم اس کو مغرب سے نکال دو۔ اب اس کی بچاگی کا اللہ تعالیٰ ذکر کرتا ہے: **ضبھت الذی کفر: وہ اپنے کفر پر، وہ شکر، وہ کافر حیران ہو گیا۔**
واللہ لایھدی القوم الظالمین : بے شک اور بے انصاف کو، ظالموں کو، گنہگاروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ باوجود اس کے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو لاجواب اور قائل کر دیا تھا، پھر بھی وہ ایمان نہ لایا۔

اس میں تھوڑا سا میں آپ کو: **یحیٰ ویمیت**: یعنی کہ اللہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، یہ زندگی عطا کرنا اس کے بہت سارے پہلو ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسم کو جان سے زندگی عطا فرماتا ہے اور یہ اس کی عجیب شان ہے کہ بے سبب کرتا ہے، ماں کے رحم میں بے جان خون کا لوتھڑا ہوتا ہے، اس کو وہ جان عطا فرماتا ہے، اور وہاں وہ پالتا پوتتا ہے، نہ وہاں پر ہوا ہے، نہ دودھ ہے، نہ دال روٹی ہے۔ بظاہر کوئی غذا نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اُس بے جان خون کے لوتھڑے کو زندگی عطا فرماتا ہے، اس کو پالتا پوتتا ہے۔ انڈے کے اندر زردی اور سفیدی بند ہوتی ہے، بالکل Sealed، نہ ہوا پہنچ سکتی ہے اور نہ غذا پہنچ سکتی ہے، لیکن اس میں جو چوزہ ہے وہ اس میں جان ڈالتا ہے۔

اللہ ایمان سے زندگی دیتا ہے۔ اور جسم کے اندر ایک چیز ہوتی ہے دل۔ اس کو زندہ کیسے کرتا ہے۔ دل کو عرفان سے زندہ کرتا ہے۔ اپنی پہچان کر کے اور دماغ کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ اُسے عشق کی شراب پلا کر۔ اور زمین کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ سبزہ سے، اور کنویں، تالابوں اور دریاؤں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ پانی سے۔ آبِ رواں سے اسی طرح۔ تو میں بھی مُردہ ہوتی ہیں اور زندہ ہوتی ہیں۔ قوموں کو کیسے وہ زندگی عطا فرماتا ہے؟ وہ اتحاد سے، اتفاق سے۔ ملک کو زندگی کیسے عطا فرماتا ہے ملک کیسے قائم رہتا ہے؟ وہ عادل سلطان سے زندگی دیتا ہے ملکوں کو، اور اپنی اوصاف کے بعد جو ہے وہ موت کا باعث ہوتی ہیں۔ جان نکل گئی تو جسم مردہ ہو گیا۔ اور ایمان چلا گیا تو جان مُردہ ہو گئی۔ وجود مُردہ ہو گیا اور عرفان نہیں ہے تو دل مُردہ ہے اور عشق الہی نہیں ہے تو دماغ مُردہ ہے۔ اور سبزہ نہیں ہے، تو زمین مُردہ ہے۔ اور پانی نہیں ہے تو دریا مُردہ ہے۔ ہمارے ہاں چولستان یا بلوچستان کے دریا ہیں صرف ان کا ایک نشان باقی رہ گیا ہے۔ ان کی لاش پڑنی ہے، دریاؤں کی، وہ زندہ نہیں ہیں۔

فہت : جو ہے، اسکا مطلب ہے حیرانی۔ وہ حیران رہ گیا۔ پریشان۔ حیران تہمت کو کہتے ہیں، بہتان اسی لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ الزام لگانے کو اس لئے کہ جس پر غلط الزام لگتا ہے وہ سُن کر کے حیران ہو جاتا ہے۔ تو یہ رب کی طرف سے حیران کر دیئے گئے۔ اس کا خلاصہ تفسیر یہ ہے کہ مُردہ تمام دنیا کا بادشاہ تھا۔ اور اس کا پایہ تخت بابل تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا تو اُس نے آپکو قید کر دیا، پھر قید سے نکال کر۔ مگر آپ بت شکنی سے باز نہ آئے۔ لہذا اس نے قید سے

نِکال کر آگ میں ڈال دیا۔ رب تعالیٰ نے آگ کو گلزار بنا دیا۔

پھر اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی موقع دیتا ہے، حکومت بختا ہے، اللہ نے ایک فرشتہ انسانی صورت میں بھیجا اور اُس نے نمرود سے آکر کہا کہ تیرا رب کہتا ہے کہ تو مجھ پر ایمان لا۔ تو پھر ہم تیری سلطنت برقرار رکھیں گے۔ اس نے کہا رب تو میں ہی ہوں۔ تین دفعہ یہ واقعہ ہوا۔ تین دفعہ وہ آئے تینوں دفعہ یہ جواب بلا۔ جب ہر دفعہ اس نے کفر کیا۔ تو پھر مچھروں کا ایک لشکر آیا، جس طرح بڑی دل آتا ہے۔ آسمان اور زمین دونوں ڈھک گئے مچھروں سے اور ان مچھروں نے اُس کے سارے لشکر کے جو سارے سپاہی تھے، پوری فوج، نمرود کی آنکھوں کے سامنے سارے گوشت کھا گئے۔ اور ان کے اتنے عظیم لشکر کا جس سے وہ ساری دنیا میں وہ سلطنت کرتا تھا، ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔ اور اس کے بعد ایک مچھر آیا اور اس کے دماغ میں گھس گیا۔ ۴۰۰ سال تک یہ مچھر اس کے دماغ کو کاٹتا تھا۔ اور اس کو سخت تکلیف ہوتی تھی، اور اس کو آرام ملتا تھا اس وقت جب کوئی اس کو جوہتے مارتا تھا، یا تھپڑ مارتا تھا، سر پہ۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ جو کوئی اس سے۔۔۔ ملنے آئے۔ اس کے سر پہ جوتے مارے تاکہ اس کو آرام ملے، تو ۴۰۰ سال تک اس کو یہ عذاب ہوتا رہا، کہ وہ جوتے اور تھپڑ کھاتا رہا۔ اور ۴۰۰ سال تک وہ عذاب سہتا رہا، اور آخر اسی میں ختم ہو گیا۔ اس آیت کے کچھ اصول مرتب ہوتے ہیں۔ ایک، تو یہ کہ کفار سے مناظرہ سنتِ انبیاء ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مناظرہ کیا، فرعون سے۔ حضرت ابراہیم نے کیا نمرود سے۔ دوسرا اصول یہ کہ مناظرے میں اگر مقابل آسان طریقے سے شکست

کھائے تو مشکل طریقہ اختیار نہ کرنا چاہیے۔ تیسرا یہ کہ انبیاء سے مقابلے کا انجام بُرا ہے۔ ہمارے سامنے دو مثالیں ہیں نمرود اور فرعون کا حشر۔ فرعون غرق ہو گیا اور نمرود پھر کے عذاب میں ۴۰۰ سال مبتلا رہا۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں کفار کو بھی حکومت اور تخت دے دیتا ہے۔ لیکن اللہ کی طرف سے دنیا عطا کرنا، اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے۔ جلسے کفار حضور اکرم ﷺ سے کہتے تھے کہ تم سے رب کیسے راضی ہے تم تو غریب ہو، مسکین ہو۔ رب تو ہم سے راضی ہے کہ ہمیں حکومت بھی دی ہوتی ہے۔ دولت بھی دی ہے، امارت بھی دی ہے۔ یہ بات غلط ہے، چور اور ڈاکو کے پاس اگر دولت ہے۔ اسمگلر اور رشوت خور کے پاس اگر دولت ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ مال جو مومن کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ اس لئے کہ وہ مال کو اللہ کے شکر کیے لئے اور اللہ کی راہ میں خرچ کیلئے، استعمال کیلئے خرچ کرتا ہے۔ اور کافر کے لئے باعثِ گمراہی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ساری دنیا کی اللہ تعالیٰ نے حکومت دی۔ بادشاہت دی تو اس کے ذریعے سے وہ اللہ کے اور زیادہ قریب ہو گئے۔ اور شداد اور نمرود کو ساری دنیا کی بادشاہت دی تو وہ دونوں شکبرانہ کفر پر اتر آئے اور گمراہی میں پڑ گئے۔

اصلاحِ قلب کی طرف مائل ہونا، اللہ کی طرف قدم بڑھانا فضلِ الہی ہے۔ اور اللہ سے مکرشی اللہ کے غضب کی نشانی ہے۔ جو لوگ اللہ کے رستے میں جاتے ہیں۔ ان پہ اللہ کا فضل و کرم ہوا۔ اور جو لوگ اللہ سے مکرشی کرتے ہیں، ان سے اللہ

ناراض ہے اور حالتِ غضب میں ہے۔ اللہ کی پہچان اور اس کا پتہ کائنات کے ذرے ذرے میں ہے، پھول میں ہے، پتے میں ہے، زمین میں ہے، آسمان میں ہے۔ اللہ کا عرفان اسے حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ کلامِ پاک میں بتاتا ہے کہ مجھے پہچانو، میری قدرت سے۔ میں ہی ہوں جو پانی کو چادر کی طرح آسمان پر لے جاتا ہوں، اور یہاں پانی نہیں ہوتا ہے، وہاں لے جاتا ہوں، اور برساتا ہوں۔

اللہ کا کامل پتہ کون ہیں؟ اولیاء اللہ ہیں۔ ان کے ذریعے سے اللہ کا حقیقی عرفان حاصل ہوتا ہے۔ اس آیت کی ایک مختصر سی صوفیانہ تفسیر بھی ہے اور یہ میں نے پہلے اشارتاً عرض بھی کیا تھا کہ طلبِ کمال جو ہے وہ فطرتِ انسانی ہے، ہر انسان چاہتا ہے کہ وہ کمال حاصل کرے۔ لیکن طالبینِ کمال جو ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کے ساتھ تائبِ الہی نہیں ہوتی۔ جیسا نمود اور شتاد اور فرعون۔ وہ فقط دنیا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ کمال حاصل کر رہا ہے۔ لیکن وہ نیچے کرگرتا رہتا ہے۔ اور حُبِّ ال کو حکومت کرے اور دنیاوی کمال سے خود کو رببت جاننا شروع کر دیتا ہے۔ کہ اب تو میرے ہی پاس سب کچھ خزانہ آگیا۔

دوسرے جو طالبینِ کمال ہیں وہ ہیں جن کے ساتھ تائبِ الہی ہے۔ وہ کون ہیں، وہ پیغمبر ہیں۔ وہ عالم ہیں۔ جن طالبین کے ساتھ اللہ کی تائید ہوتی ہے۔ وہ کس سے استفادہ کرتے ہیں۔ پیغمبر سے اس لئے کہ انہیں اللہ نے کمال عطا فرمایا ہے۔ عالم سے کہ انہیں اللہ نے پہلے ہی کمال عطا فرمایا ہے، اور اولیاء اللہ سے جنہیں اللہ نے عرفان میں کمال عطا فرمایا ہے۔ تو جب کسی طالب کے ساتھ تائبِ الہی ہوتی ہے،

تو وہ پیغمبر عالم یا ولی کا دامن تھام لیتا ہے۔ ایسے لوگ ماسوا اللہ سے پرہیز ہی کو کمال جانتے ہیں۔ بزرگوں کا کہنا یہ ہے کہ خواص کا تقویٰ ہے، عوام کا تقویٰ ہے۔ اور امر پر عمل کرنا تو اہی سے بچنا۔ خواص کا تقویٰ ہے، ماسوا اللہ کے ہر ایک سے پرہیز کرنا۔ تو یہ لوگ ماسوا اللہ سے پرہیز ہی کو کمال جانتے ہیں، اور ہر شاہدے سے رب کی دلیل پاتے ہیں اور اپنے وجود کو واجب الوجود میں فنا کر دیتے ہیں۔ اپنی ہستی کو خلاق اعظم میں گم کر دیتے ہیں۔ فنا فی اللہ ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔ ہم اس کے محبوبین سے استفادہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں قدم اٹھانے میں اپنی تائید ہمارے ساتھ کرے۔ ہمیں ایمان عطا فرمائے اور ایمان کی سلامتی عطا فرمائے۔ اس نے اپنی کریمی سے جو نسبتیں ہمیں عطا فرمائی ہیں، ان نسبتوں میں استقامت عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



يَا رَّةً تِلْكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ
آيَات نَبِيْر: ٢٦٠ - تا ٢٦١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ
الْمَوْتِىَ قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰى
وَلَكِنْ لِّيَطَّهِّرَنَّ قَلْبِيْ ط قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً
مِّنَ الطَّيْرِ فَصُدْهُنَّ بِإِيْمِكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى
كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ
يَأْتِيَنَّكَ سَعِيًّا ط وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ
فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ
سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةٌ حَبَّةٌ ط
وَاللّٰهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ط وَاللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦١﴾

”اور جب عرض کی ابراہیم نے، اے رب میرے مجھے دکھا
 دے، تو کیونکر مُردے جلائے گا؛ فرمایا کیا تجھے یقین نہیں۔ عرض
 کی، یقین کیوں نہیں، مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار
 آجائے۔ فرمایا: تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہٹالے
 پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا وہ
 تیرے پاس چلے آئیں گے، پاؤں سے دوڑتے، اور جان رکھ
 رکھ کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ ﴿۲۶۰﴾ ان کی کہادت جو اپنے
 مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس دانہ کی طرح، جس
 نے اُگائیں سات بالیں، ہر بال میں سودا نے، اور اللہ اس
 سے بھی زیادہ بڑھائے، جس کے لئے چاہے، اور اللہ وسعت
 والا، علم والا ہے۔ ﴿۲۶۱﴾“

مذکورہ بالا آیات میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے کس طرح
 مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور کرے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صحیفوں میں کہا تھا کہ
 اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرے گا۔ اور اب اللہ تعالیٰ سے آپ نے کچھ مشاہدے کی
 درخواست کی۔ کہ اللہ تعالیٰ! میرے علم میں اضافہ کر۔ یا اللہ! مُردوں کو آپ زندہ کرتے
 ہیں، مگر کس طرح سے اپنی یہ قدرت مجھے بھی دکھا دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ
 تم چار پرندوں کے ٹکڑے کر کے ان کا قیمہ کر کے سب کو ملا کر پہاڑ پر رکھ دو۔ پھر تم

ان کو اپنے پاس بلاؤ۔ اللہ کے حکم سے ان کا گوشت جمع ہوگا، اور تمہاری آوازاں کے لئے صُور بن جاتے گی۔ جس طرح حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صُور سے سارے مُردے زندہ ہو جائیں گے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آوازاں کھلتے صُور بن گئی، اور وہ پرندے دوڑتے دوڑتے تمہارے پاس آئیں گے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکمِ الہی کی تعمیل کی اور اس کے بعد آوازیں، تو چاروں پرندوں کے جسم دوبارہ تشکیل پا گئے۔ ان میں، ایک مور تھا، ایک کبوتر تھا، اس مُرغ تھا، ایک کوا۔ یہ سب اپنی ترتیب سے آکر مل گئے۔ پہلے گردن آئی، پھر لقیہ جسم آیا، پھر گوشت اور ہڈی آئیں۔ اس طرح سب کے جسم مکمل ہو گئے۔

اس آیتِ مبارکہ کے کچھ اصول اس سے مرتب ہوتے ہیں۔ ایمان جو ہے، وہ آپ کے وجود پر پھیلا ہوا ہے، وہ کم یا زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ایمان کم ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ایمان ہے ہی نہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ : اور آپ نہ نماز پر ایمان لائیں نہ زکوٰۃ پر ایمان لائیں تو پھر آپ کا ایمان ہی نہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کے منکرین سے جہاد فرمایا۔ تو اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔

کچھ حضرات کو اللہ تعالیٰ کشف اور مشاہدہ عطا فرمانا چاہتا ہے اور کشف اور مجاہدے سے وہ ان چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں، جیسے سرکارِ دو عالم نے معراج میں جنت و دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، اللہ تعالیٰ کو قُرب سے دیکھا، اور عرش، سدرة المنتہی دیکھا۔ تو مشاہدے سے ایمان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

دوسرا اصول اس کا یہ ہوا کہ علم کے دو درجے ہیں، علم الیقین اور حق الیقین۔ اور
 عین الیقین۔ یہ تیسرا درجہ حق الیقین کا ہے۔ ایک تو یہ کہ آپ سُنی سنائی باتوں پر ایمان
 لائے دوسرا دیکھی ہوئی باتوں پر ایمان لائے، اور تیسرا یہ کہ حق الیقین، یعنی حقیقت
 کو آپ نے خود پایا۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ: آپ سے کوئی کہے کہ بحرین کے سمندر میں بہت
 خوبصورت موتی ہوتے ہیں۔ یہ ہے علم الیقین، آپ نے اس کا یقین کر لیا۔ پھر آپ کا
 کوئی دوست بحرین گیا اور وہاں سے وہ موتی لایا، اور آپ نے، اس کو دیکھ لیا،
 مشاہدہ کر لیا، تو یہ ہو گیا عین الیقین۔ جو پہلا درجہ تھا، اس سے یہ بہتر درجہ ہے کہ
 نہ صرف آپ نے سنا اس کے متعلق۔ جیسے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے سنا اللہ تعالیٰ
 کے متعلق آخرت کے متعلق۔ دوسرا درجہ یہی ہے کہ اس کا مشاہدہ کر لیا۔ تیسرا درجہ یہ
 ہے کہ آپ دریا میں جائیں اور غوطہ لگائیں اور خود ہی موتی نکال کر لے آئیں یہ ہے
 درجہ، حق الیقین کا۔ تو اس طرح سے ایمان کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین،
 عین الیقین، اور حق الیقین۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ حضور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اُمت کے قلب
 وروح کو زندہ کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اپنی ذات کا مشاہدہ کیا۔ کس طرح
 سے وہ سو سال تک مردہ رہے پھر زندہ ہو گئے۔ تو موت کے بن جب وہ سو سال بعد
 زندہ ہوئے تو چالیس سال ہی کے تھے۔ اور ان کا بیٹا جو کہ ۲۰ (بیس) سال کا تھا وہ اتنا
 بوڑھا ہو چکا تھا کہ ایک سو بیس (۱۲۰) سال کے تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے

چار پرندوں کا مشاہدہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت و دوزخ کا مشاہدہ کیا۔ تو مشاہدات جو ہیں وہ درجات کے حساب سے ہیں۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ زیادہ علم کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ

کوشش حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور حضرت عذیر علیہ السلام نے کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ علم اللہ تعالیٰ نے بخشا بغیر کوشش کے۔ خود اپنی طرف سے عطا فرمایا، چھٹی بات یہ

کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبین کی خواہشات پوری فرماتا ہے۔ اور ان کے لئے قوانین بھی

بدل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ قیامت کے دن تمام مردے زندہ کئے

جائیں گے، لیکن حضرت عذیر اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے قانون کو

بدل دیا۔ حضرت عذیر علیہ السلام کو زندہ کر دیا سو سال کے بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

مردوں کو زندہ کر دیا۔ قیامت سے پہلے، یہ کہہ کر تم باذن اللہ۔ اور حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ

نے تم باذنی کہہ کے قیامت سے پہلے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوبین کی خواہشات کو پوری

فرماتا ہے، ان کی دلجوئی کرتا ہے اور ان کے لئے وہ اپنے قوانین بھی بدل دیتا ہے۔

آٹھواں اصول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ شک نہیں تھا۔ فرمایا کہ

کیا تمہیں ایمان نہیں ہے: قالوا بلی: فرمایا ہے مجھے ایمان۔ لیکن میں اپنے

اطمینان قلب کے لئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے مردہ زندہ ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے فیض سے بھی مردہ پھر زندہ ہوا۔ علم جو ہے، وہ استدلال سے بہتر ہے بحث مباحثے

سے بہتر ہے۔ اور ایمان اور علم سے مشاہدہ افضل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ

فطرت ہے کہ وہ اکثر اپنے کسی محبوب کے وسیلے سے کرتا ہے تو اسے زندہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ تو اس نے وسیلہ بنایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے یہ کام ابراہیم (علیہ السلام) کے وسیلے سے کیا۔ تو جن کو شبہ ہے وہ اپنے ایمان کو درست کریں اور اللہ تعالیٰ نے بھی تو فرمایا ہے: **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ**: کلام پاک کی آیت ہے کہ تم تلاش کرو اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا وسیلہ۔

مُرشدِ کامل کی نگاہ جو ہے وہ صُورِ اسرافیل کا کام کرتی ہے۔ جب اس کی نگاہ پڑتی ہے، تو کیا ہوتا ہے؟ اُس کا دل زندہ ہو جاتا ہے۔ دماغ روشن ہو جاتا ہے۔ اور رُوح پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ اور انہیں دوبارہ زندہ کر دیتی ہے۔ اور یہ چاروں پرندے ہمارے اندر ہیں۔ عقل، دل، دماغ اور رُوح۔ یہ اللہ کی طرف مائل ہیں۔ جب کسی کی نگاہ پڑے گی۔ تو ہم اپنے اندر کی آوازِ خلیل کو سنیں گے۔ جو صُور کا کام دے گی۔ پھر ہماری عقل، ہمارا دماغ، ہمارا دل، اور ہماری رُوح زندہ ہو جائے گی، ہمیں زندگی مل جائے گی۔ تو عبادات میں فرائض بھی، واجبات بھی ہیں، سنت بھی، مستحبات بھی ہیں۔ اگر آوازِ پیغمبر اور حیاتِ نبی سے خالی ہیں تو وہ محض عبادتیں ہیں، اور اگر فیضانِ ساتھ ہے ان کا تو وہ زندہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیتوں میں اپنی شان کے متعلق فرما رہا ہے، کہ کس طریقے سے اللہ تعالیٰ کو جو قرضِ حسنہ دیتے ہیں۔ وہ ہم صدقات اور خیرات دیتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کیسے بڑھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: **مَثَلُ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ**: جو کہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں، فی سبیل اللہ۔: **كَمَثَلِ حَبَّةٍ**: اس کی مثال ایک

بیج جیسی ایک دانے جیسی ہے : انبثت سبع سنابل : اور اس دانہ میں اگتا ہے
سات بالیں : فی کل سنبلۃ مائۃ حبة ط : اور وہ بالیں جو ہیں اس میں سات سو
(۷۰) دانے ہر ایک میں ۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ : عام ہے میری سخاوت اور یہ میری قدرت ہے کہ
جس طرح میں ، دانوں سے .. ، دانے بنا دیتا ہوں ایسی ہی مثال ہے صدقات کی ، ایک
کو سات سو گنا کر دوں گا۔ اس لئے صدقہ کرنے والے کے درجات مختلف ہیں۔ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کچھ اور درجات ہیں ، اور باقی تین خلفاء راشدین کے کچھ اور درجات
ہیں۔ اور جو دوسرے صحابہ ہیں ان کے کچھ اور درجات ہیں ، اور ہم جیسے گنہگاروں کے
کچھ اور درجات ہیں ، تو اللہ ان کے درجات ان کی فکر کے مطابق اور ان کے جذبہ قربانی ،
ایشان کے مطابق بڑھاتے چلے جاتے ہیں :- واللہ واسمہ علیہ : اللہ تعالیٰ واسع
ہے ، گنجائش والا ہے ، وسعت والا ہے۔ وہ آپ کی نیکیوں کو بڑھا سکتا ہے۔ اور وہ
جاننے والا ہے کہ ، آپ نے کس جذبے کے ساتھ کس محبت کے ساتھ آپ نے یہ صدقہ
دیا ہے ۔

درخت تین طرح کے ہوتے ہیں : ایک پھل دار درخت ، ایک بیکار درخت ،
اور ایک خاردار درخت ہے۔ پھلدار درخت سایہ بھی دیتا ہے اور کھانے کے لئے
پھل بھی دیتا ہے ، اور جو بے کار درخت ہیں وہ پھل تو نہیں دیتے لیکن سایہ تو دیتے ہیں۔
اور ایک خاردار درخت ہیں ، کانٹے دار ہیں ، جو نہ سایہ دیتے ہیں نہ پھل دیتے ہیں نہ
جیسے ابو جہل اور ابولہب جو تھے ؛ وہ خاردار درخت تھے ۔ اور ایک طرف

حضرت صدیق اکبر، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما تھے۔ وہ سایہ بھی دیتے تھے، پھل بھی دیتے تھے اور کچھ عام مسلمان تھے کہ ان کی صحبت میں آتے تھے۔

تو خلاصہ تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ کسی کارِ خیر میں یعنی زکوٰۃ، خیرات، مسجد اور مدرسہ کی تعمیر، مسافر خانے پر خرچ کرتے ہیں، ان کا صلہ سات گنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کرم بالائے کرم یہ فرمادیا کہ میں اس سے زیادہ بھی دے سکتا ہوں۔ اور دیتا ہوں جیسے کہ حدیث میں بھی ہے کہ جہاد میں اگر آپ پیسہ دیں گے۔ تو اس کا صلہ سات سو گنا ہے، اور خود جا کر آپ جہاد میں شریک ہوتے ہیں، تو اس کا صلہ سات لاکھ گنا ثواب ہے۔ صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ کے جو نیک بزرگ ولی ہوتے ہیں، جب کوئی مشکل آتی ہے۔ یا جب کوئی مشکل آنے والی ہوتی تو وہ اس کا صدقہ نکال دیتے تھے اور مصیبت ٹل بھی جاتی تھی۔ بعد میں مجھے بتاتے تھے کہ آپ اس مشکل میں پھنسنے والے تھے۔ میں نے آپ کا صدقہ دیدیا۔ تو صدقہ جو ہے وہ مشکلوں اور بلاؤں کو دور کرتا ہے۔

سجادت وہ درخت ہے کہ جس کی بڑبڑ جنت میں ہے اور شاخیں جنگل میں پھیل وہ دنیا میں کھاتے ہیں۔ جو صدقہ دیتے ہیں ان کو فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کی جڑیں جنت میں ہیں جہاں سے اس کی آبیاری ہوتی ہے۔

اب اس سے کچھ اصول بنے۔ اصول یہ ہے کہ جو چیز اللہ کی راہ میں خیرات ہے۔ فی سبیل اللہ آپ جو کچھ کریں، اس کا اللہ تعالیٰ اجر عطا فرماتا ہے۔ تو اس وجہ سے میت کا سوئم جو ہم کرتے ہیں، یا کارِ خیر کرتے ہیں۔ کچھ پڑھ کر اس کو بخشتے

ہیں۔ یاد سواں، یا چالیسواں پر سب باعثِ ثواب ہے۔ کیونکہ یہ بھی اللہ کی راہ میں خیرات ہے۔ اور اس کو حرام کہنا یہ خود ساختہ پابندی ہے، یہ اسلام میں جائز نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی چیز کی سند مجازی ہوتی ہے۔ تو اسلام کے اندر مجازی جائز ہے۔ مثلاً: دوا، دافعِ بخار ہے۔ ماں باپ پلنے والے ہیں حاجت روا ہیں ضروریات پوری کرتے ہیں، لیکن دراصل یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں حسناتِ مجازی پیا کئے ہیں، تو سندِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اسنادِ مجازی اپنے رتبے کے لحاظ سے انبیاء ہیں، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اولیاء اللہ ہیں۔

اس سے پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر اللہ کا منشا ایسا نہ ہوتا تو ایسا ہو جاتا۔ تو پتہ لگا کہ ہر چیز کا وجود منشاءِ ایزدی پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی تو وہ چیز ہوگی۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ: رب تعالیٰ ایک ہی عمل پر مختلف لوگوں کو مختلف جزا عطا فرماتا ہے، جیسے اس آئیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: سات سو گنا ہوتا ہے لیکن: واللہ یضعف لمن یشاء: جس کو چاہے اس کو زیادہ بھی دے دے۔ تو ایک ہی عمل پر اللہ تعالیٰ کی عطا مختلف ہوتی ہے۔ اور مختلف لوگوں کو مختلف چیزیں عطا فرماتا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ اگر مومن کوئی نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دونوں جہانوں میں اس کا صلہ عطا فرماتا ہے۔ اس کو برکت اور وسعت حاصل ہوتی ہے۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس قرضہ ہے

جو بڑھتا رہتا ہے۔ اور کافر اگر کوئی نیکی کڑے صدقہ خیرات کرے تو اس کے نیک اعمال کی جزا سے دنیا میں مل جاتی ہے، آخرت میں اس کے لئے کوئی جزا نہیں۔ وہاں کوئی صلہ نہیں ملے گا۔

اس آیت مبارکہ کی ایک صوفیانہ تفسیر بھی ہے کہ صدقات کے لئے چار چیزیں لازم ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ صدقہ کرنے والا صالح ہو۔ نیک ہو دوسرا یہ کہ مال حلال سے ہو۔ تیسرا یہ کہ اس کا مصرف بہتر ہو۔ اور چوتھی بات یہ کہ مناسب وقت پر ہو۔ اگر آپ رمضان کا فطرہ عید کی نماز سے پہلے ادا کریں۔ ۱۲ بجے کے بعد مناسب وقت تو اسی طریقے سے کرنے والا صالح ہونا چاہیے۔ جس مال کا صدقہ دیا ہے وہ حلال مال ہونا چاہیے اور جس کام سے وہ لگا ہو وہ مصرف بہتر ہونا چاہیے، اور اس کے لئے وقت مناسب ہونا چاہیے۔ حلال مال کا ثواب زیادہ ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی ایک حدیث شریفیہ ہے کہ: "اگر کوئی حلال چیز کا ایک ٹکڑا بھی خیرات کر دے تو رب اس کی ایسی پرورش فرماتا ہے، جیسے مرنوالی گھوڑی کے بچے کی پرورش اس کا مالک کرتا ہے۔ مالک گھوڑی کی ببت میں اس بچے کی پیار سے پرورش کرتا ہے۔" اور ہر خرچ کا الگ الگ راستہ ہے۔ اگر آپ شیطان کے لئے خرچ کرتے ہیں، اس خرچ کا راستہ دوزخ ہے۔ وہ خرچ کرنے والے کو دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ اور اگر اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں تو اس کا راستہ دوسرا ہے جو رحمان تک جاتا ہے۔

صدقہ کے مختلف درجات ہیں عوام کی خیرات کیا ہے؟ مال ہے اور اس کی جزا جنت میں ہے۔ اور خواص کی خیرات کیا ہے؟ اصلاح حال ہے۔ اور اس کی جزا تزکیہ و نفس ہے۔ اور رضائے الہی ہے۔ لہذا مومن کو چاہیے کہ اپنے کو اصلاح احوال کرے۔ جزا میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ جس میں اخلاص زیادہ ہوگا جس میں کوئی دکھاو نہ ہوگا۔ خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے ہوگا اس کا اجر زیادہ ہوگا۔ مہمان یا مسافر پر خرچ اس وقت کیا اس وقت تنگی ہو کہ آپ پر خود فاقہ ہو رہا ہے، اور مہمان کوئی مسافر آگیا آپ نے وہ کھانا اس کو دے دیا اور خود اپنے بچوں کو بھوکا سلا دیا اس کا ثواب بہت زیادہ ہوگا۔ تو یہ مختلف اس کی درجات ہیں کہ کہاں آپ کر رہے ہیں، کس وقت کر رہے ہیں، کن حالات میں کر رہے ہیں، کتنے اخلاص کے ساتھ کر رہے ہیں، اس میں کتنی قربانی شامل ہے۔ اس کے حساب سے اللہ تعالیٰ آپ کے صدقات کو قبول فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کو استقامت عطا فرمائے، ہمارے ایمان کے درجات کو بلند فرمائے، ہمارے قلب کو بصیرت عطا فرمائے، ہماری باطنی عقل کو مشاہدہ عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے مال سے اور ہمارے اہل و عیال سے زیادہ اپنی محبت عطا فرمائے۔ تاکہ ہم اخلاص کے ساتھ اس کے دیئے ہوئے رزق سے اس کی راہ میں خرچ کر سکیں۔

وآخر دعوات ان الحمد لله رب العالمین



بَارَكَاةَ تِلْكَ الرُّسُلِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَات نمبر ۲۶۲ - تا - ۲۶۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ

ثُمَّ لَا یَتَّبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مِمَّا وَّلَا اَذٰی

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ

مَعْرُوْفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ

یَتَّبِعُهَا اَذٰی ۗ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾

” وہ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر

دیئے پیچھے نہ احسان رکھیں نہ تکلیف دیں، ان کا نیک

ان کے رب کے پاس ہے۔ اور انہیں نہ کچھ اندیشہ

ہو، نہ کچھ غم (۲۶۲) اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا، اس

خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو، اور اللہ

بے پرواہ حلم والا ہے (۲۶۳)

آج ۲۶۲، اور ۲۶۳ آیات کی تفسیر بیان کرینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : مثل الذین ینفقون اموالہم۔۔۔۔۔ حبة :
ان لوگوں کی مثال ان مومنین کی مثال ان صاحبانِ جود و سخا کی مثال ان لوگوں
کی جو رضا جوئے الہی ہیں جو کہ : ینفقون اموالہم : اپنا مال خرچ کرتے
ہیں۔ اموال سے مطلب ہے اپنا حلال اور صاف ستھرا مال خرچ کرتے ہیں
فی سبیل اللہ : اللہ کی راہ میں یعنی زکوٰۃ میں جو فرض ہے موجبات
میں صدقات میں اور حقوق النفس کے لئے بھی اور حقوق العباد کے لئے
بھی جو بھی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے سے اللہ کی راہ میں زکوٰۃ یا حج
یا صدقات و خیرات یا مسجد اور کنوئیں بنانے پر جو بھی اللہ کی راہ میں خرچ
کرتے ہیں۔ ان سب میں فی سبیل اللہ آجاتا ہے۔ اس کی مثال کیسی ہے؟
اس کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس میں سے سات بالیاں نکلتی ہیں،
اس دانے کا ایک پودا بنتا ہے، اس پودے میں سات بالیاں بنتی ہیں اور
ہر بالی میں سو سو دانے ہوتے ہیں۔ تو جس طریقے سے ایک دانے سے
سات سو دانے بنتے ہیں، اسی طرح سے جو لوگ میرے نیک بندے میری

راہ میں خرچ کرتے ہیں، میں ان کے مال کو ایسا ہی کر دیتا ہوں۔ جیسے کہ ایک
 دانے میں سات سو دانے بنتے ہیں۔ اور یہی نہیں: واللہ یضعف لمن
 یشاء: اور جب اللہ چاہتا ہے تو اس میں بھی اس کا ثواب اس سے
 زیادہ کر دیتا ہے۔

جیسے میں نے پھلی دفعہ عرض کیا تھا کہ اگر اپنا مال لے کر خود جہاد
 میں شامل ہو تو اس کو سات (۷) لاکھ گنا ثواب ملتا ہے، تو عام طور سے یہ
 ہے کہ ہرنیکی کا دس گنا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جتنا چاہے اس کو بڑھا دے:
 واللہ یضعف لمن یشاء: اور: واللہ واسع عليم:
 اللہ تعالیٰ کثائش والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔

جیسا کہ میں نے پھلی دفعہ عرض کیا تھا کہ درخت تین قسم کے ہوتے
 ہیں: ایک بار دار ہوتے ہیں، ایک بے کار ہوتے ہیں، اور ایک خار دار
 ہوتے ہیں۔ اسی طرح دولت والے بھی تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک دولت
 والے وہ ہوتے ہیں جو بار دار پھل والے ہوتے ہیں، مخلوق کو اپنی دولت سے
 نفع پہنچاتے ہیں، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
 اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ۔ اور ایک بیکار درخت ہوتا ہے لیکن اپنے سائے
 سے لوگوں کو فیض پہنچاتا ہے۔ اس میں پھل نہیں ہوتا لیکن اس کے سائے میں
 لوگ آرام کرتے ہیں۔ اور ایک خار دار ہوتا ہے جیسے بھول کا درخت ہوتا
 ہے، نہ اس میں سایہ ہوتا ہے اور نہ اس میں عافیت ہوتی ہے۔ ان کی مثال ایسی

ہے جیسے ابو جہل ہے، ابو لہب ہے۔

اسی طرح اسرار بھی تین طرح کے ہیں ایک باردار۔ جو لوگ رحمانی جگہ پر خرچ کرنے والے ہیں۔ جیسے آپ کا سماع ہوتا ہے یا مسجد تعمیر ہو رہی ہوتی ہے۔ یا کہیں کنواں بن رہا ہوتا ہے، یا کہیں غریبوں کے لئے لنگر چکاتا ہے۔ یتیم خانے میں تو جو رحمانی خرچ کرنے والے ہوتے ہیں وہ باردار اور جو مال جمع کرنے والے ہیں وہ بیکار ہیں یہ تو فیض کسی کو نہیں پہنچاتے، اور خاردار جو ہیں وہ شہوات اور نفس پر خرچ کرنے والے کسی کو تنگ کرنے کے لئے اپنی خواہشات پر خرچ کرنے والے، یہ خاردار ہیں۔ تو جو لوگ کسی کارِ خیر میں یعنی زکوٰۃ، فطرہ، مسجد مدرسہ کی تعمیر، شفا خانے، مسافر خانے پر خرچ کرتے ہیں، ان کا صلہ سات سو (۷۰۰) گنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جیسے اس میں مثال دی کہ ایک دانے سے سات بالیاں نکلیں، اور ہر بالی میں سات سو دانے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح فی سبیل اللہ عام نیکیوں میں ایک نیکی کا دس (۱۰) گنا اجر ہے۔ لیکن اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی اللہ نے مثال دی کہ سات سو گنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ بالائے کرم جو ہے وہ فرما کر اور زیادہ دیتا ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ جو شخص جہاد کے لئے روپیہ، مال بھیجتا ہے اس کو سات سو گنا ثواب ملتا ہے، لیکن اگر خود جا کر جہاد میں حصہ لے اور خرچ کرے تو اس کو سات (۷) لاکھ گنا اجر ملتا ہے۔ صدقہ جو ہے دنیاوی منصبیوں اور فتنہ قبر اور عذابِ قیامت کو

دُور کرتا ہے۔ سخاوت وہ درخت ہے کہ اس کی جڑ جنت میں اور شاخیں دنیا
 ہیں اور صدقہ یہ نہیں ہے کہ صرف امیر ہی کر سکتے ہیں غریب اس سے محروم
 ہوں گے۔ غریب اگر راہ چلتے ہوئے کانٹا بھی ہٹا دے تو اُسے صدقے کا
 ثواب ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے اعمال اچھے بتائے ہیں جن میں صدقے کا
 ثواب ملتا ہے۔

اس سے یہ پتہ لگا کہ ایک ہی عمل کا مختلف ثواب، مختلف لوگوں کے
 لئے ہے، اور اس میں فرق کیسے ہوتا ہے؟ اس عمل کی نوعیت پر ہے کہ کس
 چیز پر انہوں نے پیشہ خرچ کیا؟ کس طریقے سے کیا اور دوسرے یہ کہ کس اخلاص
 سے خرچ کیا؟ اگر اس نے کہا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے اس کے لئے پیسے
 دینے ہیں تو میں کیوں نہ اللہ کی راہ میں پیسے بھی خرچ کروں اور خود ہی جہاد بھی
 کروں اس کا اللہ نے ثواب سات لاکھ گنا کر دیا ہے۔

اب اللہ نے پہلے صدقات کے فائدے بتائے اس میں جو برکت ہوتی
 ہے وہ بتائے، اب اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں کیا فرما رہا ہے؟ کہ صدقات کے
 آداب بتا رہا ہے۔ کہ صدقات دیا کرو، اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو کس انداز
 سے خرچ کرو۔ وہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے خرچ کرو، اپنے نفس کی تسکین
 کے لئے خرچ نہ کرو۔

الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ : الذین ، یعنی وہ
 لوگ (وہ مومنین) : ینفقون : جو خرچ کرتے ہیں : اموالہم : اپنے مال

کو : فی سبیل اللہ : اللہ کی راہ میں۔ زکوٰۃ ہوگئی اور صدقات ہو گئے، کارِ خیر ہو گیا۔ یہ سارے فی سبیل اللہ ہیں۔ رفاہِ عامہ کے کام۔

ثم لا يتبعون : اتباع کہتے ہیں، اسکی پیروی کرنا، اس کے بعد جو عمل کرنا ہے، اس کو کہتے ہیں : لا يتبعون : میں دعا مانگتا ہوں نا فلهم ما يدعون : ایسی کامیابی کہ جس کے بعد فلاح آئے تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے : ثم لا يتبعون ما انفقوا : اور اس کے بعد جو کچھ خرچ کیا ہے، اس کے بعد جو وہ عمل کرتے ہیں، ان میں کیا چیز نہیں شامل ہوتی۔
منا ولا اذی لا : اذی جو ہے اذیت سے، اور منا، من،

کہتے ہیں احسان کو : لقد منا اللہ بالمومنین..... رسولاً : کہ اللہ کا احسان ہے۔ دو چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کہ جب تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو یہ نہ ہو کہ خرچ کرنے کے بعد تم اس کا احسان جتاؤ یا اس کو تنگ کرو۔ بشری تقاضہ ہوتا ہے کہ آپ نے کسی کے ساتھ نیکی کی ہے اور اُس نے کوئی زیادتی کی تو آپ کو غصہ آتا ہے کہ دیکھو میں نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا تو اب وہ میرے ساتھ ایسا کام کر رہا ہے۔ میں بھی انسان ہوں مجھ سے بھی اس طرح کی بات منہ سے نکل جاتی ہے تو میری بیوی مجھے ٹوکتی ہے کہ کیا آپ نے اپنے لئے اس کا اچھا سلوک وصول کرنے کے لئے خرچ کیا تھا۔ یا اللہ کے لئے خرچ کیا تھا۔ اگر اللہ کے لئے خرچ کیا ہے تو آپ کو خوش ہونا چاہیے، چاہئے وہ خوش ہو یا ناخوش ہو۔ اور اگر اپنی ذات

کے لئے خرچ کیا ہے تو آپ کو ضرور یہ حق حاصل ہے کہ آپ اس پر ناراض ہوں
یہ جو مجھے اکثر ٹوکتی ہے کہ میری طبیعت میں جلال تو بہت ہے۔ تو اکثر لوگ مجھے
Behave کرتے ہیں تو مجھے بُرا لگتا ہے تو یہ اللہ کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
کیا فرمایا ہے : الذین ینفقون ثم لا یتبعون : جو لوگ اللہ
کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اپنے حلال مال کو۔ مال سے یہاں مطلب ہے،
حلال مال۔ اور اس کی پیروی نہیں کرتے ہیں دو عمل سے : ایک احسان جتاناً،
اور ایک تکلیف دینا۔

لہم اجرہم عند ربہم : ایسے ہی لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ
کے پاس ان کا اجر ہے اس کا انعام ہے۔ تو ہمیں ہدایت یہ ملی اللہ تعالیٰ سے
کہ دھر کام میں اخلاص رکھو۔ جب مال خرچ کرو تو اللہ کے لئے خرچ کرو۔ اور یہ
نہ ہو کہ تم نے کسی کو مال دیا ہے اس کی ضرورت کے مطابق پھر اس کو تکلیف دو،
کہو کہ میرے ہاں مزدوری کرو میرے برتن مانجو، میرا یہ کام کرو۔ اور یا اس پر
احسان جتا کر کے اس کی عزت نفس کو مجروح کرو۔ تو دو چیزوں سے پرہیز کرنا
ہے۔ ایک تو احسان جتا کر صدقہ یا خیرات یا مال لینے والے کی عزت نفس
نہ مجروح کرو اس سے رُوح مجروح ہوتی ہے۔ اور اس کو تکلیف نہ دو، اسے
اس مال کا طعنہ تشنہ نہ دو۔ اس کو بُرا بھلا نہ کہو۔ اس سے اس کی بیگاری نہ
لو۔ تو جو ایسے لوگ ہیں، جو ایسا نہیں کرتے : ثم لا یتبعون : کہ صدقہ
دے دیا، اس کے بعد احسان جتا دیا اور اذیت دے دی۔ ایسے لوگوں کیلئے

لهم اجرهم عند ربهم : ایسے لوگوں کے لئے اجر ہے اللہ تعالیٰ کے پاس۔

صرف ایسا نہیں ہے اس کے علاوہ مزید کرم یہ کہ ان کے ساتھ دوستوں جیسا سلوک ہوگا۔ ان کے ساتھ کیسا سلوک ہوگا؟ : الا ان اولیاء اللہ..... یحزنون ۝ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سورہ یونس میں کہ: ”آگاہ ہو جاؤ، جان جاؤ کہ اللہ کے دلی ایسے ہیں جن کو کوئی خوف نہیں ہے، اور کوئی غم نہیں ہے، ماضی کا کہ کیا کھویا اس کی فکر نہیں ہے، اور کیا کچھ آگے ہوگا، اس کا خوف نہیں ہے“ اس لئے کہ دنیا ہی میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے خوف رکھا، اللہ تعالیٰ کو خوف اور طمع سے پکارا : حدود اللہ خوفاً وطمعاً : ”اللہ کو پکارو خوف اور طمع کے ساتھ“ خوف اس بات کا کہ کہیں ہم سے کوئی ایسی حرکت، کوئی ایسی خطا نہ ہو جائے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے، اور دُور ہو جائیں ہم اللہ تعالیٰ سے۔ اور طمع اس بات کی کہ وہ معافی بھی دینے والا ہے وہ نعمتیں بھی دینے والا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم اس سے جتنا بھی مانگ لیں وہ کم ہے۔ میرے دوستوں کی طرح سے میرے ولیوں کی طرح سے جو صدق کے ساتھ اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں جتائیں گے۔ تکلیف نہ دیں گے۔ ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم کا بوجھ ہوگا۔ ان کی دنیا بھی عاقبت سے گزرے گی غم جو ہوتا ہے، حُزن : وہ دنیا میں جو وقت گزر گیا، اور خوف جو ہے، وہ عقبی کیلئے ہے۔

تو نہ انہیں دنیا کا غم ہوتا ہے اور نہ عاقبت کا خوف ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی پناہ میں ہوتے ہیں۔ اللہ کی رحمتیں ہیں۔

جب ایک کاسات لاکھ گنا، اور سات سو گنا اجر ہوگا تو کتنی نیکیاں جمع ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس ہدایت پر مزید کرم بالائے کرم فرما کر کے فرماتا ہے : قول معروف : لفظی معنی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ جو سوسائٹی میں معاشرے میں، جو اچھے الفاظ اچھے کلام جن چیزوں کو اچھی بات تسلیم کر لی جائے اور اس کا مطلب یہ کہ شریعت کے مطابق شریعت کے جو اخلاقی تقاضے ہیں، ان تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے جو گفتگو ہم کرتے ہیں، وہ : قول معروف : ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھی بات کیا کرو : قول للناس حسناً : انسانوں کے لئے اچھی بات کیا کرو : قول معروف : اچھی بات، معقول بات کہنی مناسب بات کہنی : ومغفرة : اور معاف کر دینا : خیر من صدقة يتبعها اذى : اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد آپ اذیت دیں۔

آپ کو کوئی ضرورت مند ملتا ہے، اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ بہت ہی خوش اخلاق ہو۔ بعض دفعہ وہ بڑے بد زبان ہوئے ہیں۔ آپ نے ایک روپیہ نکال کے دیا تو اس طرح ڈانٹتے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ادھار آپ پر ہے۔ اس پر آپ کو غصہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کہ ان پر غصہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ : سوال کرنے والے سے اچھی

طرح بات کرنا خلقِ عظیم کی مثال پر عمل کرتے ہوئے اچھی طرح سے دستِ سوال اٹھانے والے سے گفتگو کرنا۔ اور معاف کر دینا اگر وہ آپ کے ساتھ بدزبانی کرے، غلط بات کہے تو اس وقت ان کو معاف کر دینا جو ہے وہ بہتر ہے۔

اگر سوال کریں کہ آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں یا آپ کی ضرورت سے زیادہ نہیں ہیں اور آپ کی اشد ضرورت زیادہ ہو، تو آپ اچھی طرح سمجھا دیں کہ معاف کرو، اس وقت میں نہیں دے سکتا۔ اور اس کے بعد اگر وہ آپ کو بُرا بھلا کہے تو اس پر آپ صبر کریں، اس کو معاف کر دیں۔ تو اللہ فرماتا ہے کہ: یہ عمل کہ: سوال کرنے والے کے ساتھ اچھی طرح گفتگو کرو۔ اخلاق اور خلقِ عظیم کے ساتھ کی مثال کو سامنے رکھ کر کرو اور اگر وہ آپ کے ساتھ کوئی زیادتی کرے سوال کرنے والا تو اس کو معاف کر دو۔ تو یہ اچھی طرح سے بات کرنا اور زیادتی پر معاف کر دینا جو ہے اس کا کیا مقام ہے۔ اس کا مقام ہے: خیر من صدقة: اس صدقے سے بہتر ہے: یتبعها اذیٰط: جس کے بعد میں اذیت دوں۔ تو کسی کو دو پیسے دے دیئے اور کہا جاؤ بہت تنگ کرتے ہو۔ لے جاؤ۔ یہ اذیت دینا ہوا، اس کی عزتِ نفس کو۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم سے نہ ہو سکے تو نہ کرو، لیکن بات اچھے طریقے سے کرو۔ زیادتی کریں تو مانگنے والے کو معاف کر دو۔ مانگنے والا تو پہلے ہی ایک سزا کے طور پر اس کو ہاتھ اٹھانا پڑ رہا ہے: قول معروف ومغفرة

خیر من واللہ غنی حلیمہ : اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے۔ اس کو تمہارے کار خیر کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ حاجت مند نہیں ہے کہ آپ اس کی راہ میں ضروری خرچ کریں۔ وہ غنی ہے آپ کریں تو آپ کو اس کا اجر دے گا۔ لیکن نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے حبیب ﷺ کے خلقِ عظیم کو سامنے رکھ کر کے سوال کرنے سے برتاؤ کریں اور حلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ برداشت کرتا ہے، تحمل والا ہے تم اس کے بندے ہو۔ تم حلیم کے بندے ہو تو تم بھی تحمل کا مظاہرہ کرو۔ جب ایسے لوگوں سے ملو۔

اس کا تعلق پچھلی آیت سے صاف ظاہر

ہے کہ پچھلی آیت میں صدقے کے ثواب کا ذکر تھا۔ سات سو گنا۔ اب یہ ہے کہ صدقہ کیا ہونا چاہیے، مالِ حلال ہونا چاہیے، ایسا نہ ہونا چاہیے جس میں احسان نہ رکھیں ایسا نہ ہونا چاہیے جس میں بعد میں اذیت نہ دیں اور پہلے صدقہ مقبول کے فرائض اور اب ان کی شرائط اللہ تعالیٰ نے بیان کیں اس میں۔ یہ بھی بتایا تھا پچھلی آیت میں کہ صدقے کا ثواب جو ہے فی سبیل اللہ کا ثواب کیسا نہیں ہے سات سو گنا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو اور زیادہ دے دے۔ اور اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ صدقے کو سنبھالا کیسے جاتا ہے۔

صدقہ دے دیا تو اس کو سنبھالنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کسی پر احسان

نہ جتائیں اور اس کے لئے کسی کو اذیت نہ دیں تو پھر وہ صدقے کا ثواب آپ کا

قائم رہے گا۔ یہ آیت اُتری تو اس کے تین شانِ نزول ہیں۔ ایک کا تعلق

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے ایک کا تعلق حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اور ایک کا تعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے تو، دو کا بہت اتفاق ہے حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کا لیکن بعض میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی ذکر ہے۔

حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کا واقعہ غزوہ تبوک سے متعلق ہے۔ جب اس غزوے کے لئے مال اکٹھا کیا جا رہا تھا، ساز و سامان، تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک ہزار اونٹ مع ساز و سامان اس میں دیدیا۔ تمام اسلحہ وغیرہ بھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے اعلان فرمایا کہ جس غازی کے پاس اپنا ساز و سامان نہ ہوگا، اُسے بھی اپنے پاس سے ساز و سامان دیں گے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جذبہٴ ایثار سے بہت خوش ہوئے اور ساری رات ہاتھ اٹھا کر یہ دُعا کرتے رہے کہ اے میرے رب! میں عثمان سے راضی ہو گیا ہوں، آپ بھی عثمان سے راضی ہو جائیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور یہ دُعا کرتے کرتے جب صبح ہوئی تو یہ آیت مبارکہ ان کی شان میں نازل ہوئی۔

دوسری اس کی روایت یہ ہے کہ غزوہٴ تبوک میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بہت ہی دل کھول کر اس میں پیسے خرچ کئے ان کے پاس کل آٹھ ہزار دینار تھے۔ تو انہوں نے اس میں سے چار (۴) ہزار دینار لاکر کے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیئے اور باقی آدھے ہوی بچوں کو اپنی برادری میں ان کے خرچ کے لئے چھوڑ دیا۔ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

سے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میرے پاس کل آٹھ ہزار دینار تھے جس میں سے ۴ ہزار دینار میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے اور بقیہ ۴ ہزار دینار گھر والوں کے لئے رکھ لئے۔ سرکارِ دو عالم ۳ نے ازراہ شفقت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خرچ کئے اور رکھے دونوں میں برکت دے، یہ دعا فرمائی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت علیؑ، بڑی عسرت میں زندگی گزارتے تھے۔ یہیں جو سبق ملا ہے، ہم بیٹیوں کی جب شادیاں کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اسکی حیثیت کیا ہے؟ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی بیٹی کی شادی تو غریب ترین صحابی سے فرمائی۔ مولائے کائنات مولیٰ علیؑ سے۔ ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک دن گھر میں کچھ کھانے کو نہیں تھا۔ حضرت علیؑ کے گھر میں۔ مجبوراً اپنے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ایک قمیض لی اور بازار میں اسے چھ (۶) درہم میں بیچی اور وہ قمیض بیک گئی۔ اور ابھی گھر کے لئے وہ کچھ سامان لے کے جانے ہی والے تھے کہ راستے میں ایک سائل مل گیا۔ اور آپ نے سارے کا سارا سامان اس سائل کو دے دیا۔ گھر میں فاقہ ہو رہا تھا اور اتنے مجبور ہو گئے کہ بیوی کا کپڑا بازار میں بیچا لیکن جب سائل مل گیا تو سب کچھ اس سائل کو دے دیا۔ جب آگے گئے تو دیکھا ایک شخص جو ہے ایک اونٹنی بیچ رہا تھا۔ آپ نے اس سے وہ اونٹنی قرض پر خرید لی، کہ یہ اونٹنی مجھے دے دو، میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔ ابھی وہ اونٹنی لے کر جا ہی رہے تھے کہ راستے میں ایک

خریدار مل گیا۔ اور آپ نے اس کو نفع میں بیچ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے کئی گنا زیادہ
 دے دیا۔ اور اس قرض خواہ کو جس سے اونٹنی خریدی تھی، بہت ڈھونڈا۔ مگر
 وہ کہیں نہ ملا۔ چنانچہ آپ سارے پیسے لے کر سرکارِ دو عالم ﷺ کی بارگاہِ عالی
 میں پیش ہوئے اور قصہ سنایا پھر سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جس سائل کو تم
 نے سب کچھ دے دیا۔ وہ تھے رضوان۔ جنت کے مالک فرشتے۔ اللہ تعالیٰ
 نے جنت کے فرشتے کو بھیجا تھا۔ تم نے تو گویا جنت ہی خرید لی۔ کہ جو کچھ تھا،
 رضوان سائل بن کر آئے اور داروغہ جنت نے جو کچھ تھا سب انہوں نے لے
 لیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور فرشتہ بھیجا، حضرت میکائیل علیہ السلام
 تشریف لائے۔ اور انہوں نے ان کو اُدھار وہ اونٹنی دے دی۔ اور اسکے
 بعد وہ غائب ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ ان کا اتنا ہی کام تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔
 اور ابھی چند قدم آگے چلے ہی تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام خریدار بن کر شافع پر
 انہوں نے اونٹنی خرید لی۔ تو یہ ساری ان پر عنایتیں اور کرم جو ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ
 کی طرف سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب ترین فرشتوں کو بھیجا۔ جس
 سے ان کی سخاوت اور ایثار کا اظہار ہوا۔

تو یہ بھی مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس واقعے کا تعلق بھی اس آیت
 کریمہ سے ہے۔ اس واقعے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ جیسا کہ میں نے
 عرض کیا تھا کہ: **يَنْفِقُونَ** : جو ہے وہ ہر قسم کے صدقے کے متعلق تھا۔
 چاہے وہ نفلی ہو یا فرضی ہو۔ خرچ جو ہیں وہ سات قسم کے ہوتے ہیں۔

جب ہم خرچ کرتے ہیں وہ سات قسم کے ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ فی سبیل اللہ ہوتے ہیں اور کچھ دنیا کے لئے ہوتے ہیں۔ نفس کے لئے ہوتے ہیں۔

پہلا جو ہے وہ فرض خرچ ہے۔ وہ ہے زکوٰۃ، نذر پھر حقوق العباد، قرضے کی ادائیگی اور نفعیہ اخراجات فرض ہیں ہر انسان پر دوسرا خرچ واجب ہے، جیسے ہم روزے کا نظر اندہ دیتے ہیں، قربانی۔ پھر تیسرا خرچ سنت ہے، جیسے مسجد بنوانا۔ کنوین بنوانا اور چوتھا خرچ مباح ہے، جس کی اجازت ہے، وہ دنیاوی ضروریات کے اخراجات ہیں۔ پانچواں خرچ جو ہے وہ مکروہ ہے جو کہ منع ہے۔ چھٹا وہ خرچ مکروہ ہے جس کی بالکل قطعی پابندی ہے۔ اور کچھ ایسے مکروہ چیزیں ہیں جس کو کرنا نہیں چاہیے، لیکن اس کے کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہوتا اور تیسرا وہ مکروہ ہے جو کہ قطعی منع ہے۔ اور ساتواں خرچ جو ہے وہ حرام چیزوں کا خرچ ہے، جیسے اسراف ہے، فضول خرچی، محرمات ہے، شراب ہے، کھیل تماشا ہے یہ حرام خرچ ہیں جو پہلی قسم کے خرچ ہیں۔ فرض اور واجب یہ ہیں یہ انفاق فی سبیل اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ : **الذین ینفقون اموالہم... انفقوا منہم ولا اذی** : یہ ساری زندگی کے لئے کہ جو آپ خرچ کرو، پوری زندگی میں اس کا احسان نہ جتاؤ اور اس کے لئے کوئی تکلیف نہ کرو۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ احسان نہ جتاناجو ہے خیرات ہے اور معاف کر دینا خیرات سے بہت اعلیٰ ہے۔ : اذی : کہتے ہیں،

تکلیف وہ چیز کو اور اذیت دینے والے کو موزی کہتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ کی مختصراً تفسیر یہ ہوئی کہ اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور تاحیات نہ کبھی اس کا جتائیں۔ اور نہ کوئی ایذا پہنچائیں۔ نہ ٹھیس پہنچائیں۔ نہ عزتِ نفس کو مجروح کریں۔ فقیر اگر سوال کرے اور مجبوری ہو تو اچھی طرح بات کریں اور اگر وہ زیادتی کرے تو اسے معاف کر دیں تو : قول معروف 'اور' مغفرة : دونوں کی تاکید اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ اس آیت مبارکہ کے دونوں ۲۶۲، اور ۲۶۳ کے کچھ اصول ہوتے ہیں : ایک تو یہ ہے کہ صدقہ پر طعنہ دینا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اس سے صدقے پر بار ہو جاتا ہے۔ جس سے نیکیاں برباد ہو جائیں، وہ گناہ کبیرہ ہے۔ جس کا صدقہ بارگاہ الہی میں قبول ہو جائے اس کا شمار اولیاء اللہ میں ہے۔ اس لئے آپ کو یاد ہو گا کہ : لہم اجرہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ۵ : ان کا اجر ان کے پاس ہے۔ ایسے لوگوں کے صدقے اللہ کے پاس مقبول ہیں اور جن کے صدقات اللہ کے پاس مقبول ہو جائیں ان کا درجہ اولیاء اللہ کے برابر ہے۔ یہ کہ ان کے لئے وہی العام ہے جو اولیاء اللہ کے لئے ہے : لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ۵ -

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا ہے : ان اللہ وملائکتہ..... علی النبیؐ : اور یہ کرم اللہ تعالیٰ نے کس کے ساتھ اور بھی کیا ذکر کرنے والوں کے : یا ایہذا الذین امنوا الذکو اللہ.....

...وملائکتہ : تو سلام و درود رحمت ذاکرین کے لئے ہے اور صابریں کے لئے ہے۔ جب صبر کا ذکر کیا ہے اس میں بھی یہی ہے، اللہ کی طرف سے رحمت ہوتی ہے۔ اور تیسری نیکی صدقہ اس کا اجر دہی ہے۔ انعام جو کہ اولیاء اللہ کا ہے : لا خوف..... ولا هم یجزون ہ : تیسرا اصول یہ ہے کہ جو اعمال صالحہ جو ہیں، وہ سرکارِ دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام کے سانچے میں ہوں اور صحابہ کرام کے نمونے پر ہوں وہ مقبول ہیں ورنہ مردود ہیں۔ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مثال دی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مثال دی ہے کہ اس میں اجر بھی ہے اور غم و فکر سے آزادی بھی ہے۔

چوتھا اصول یہ ہوا کہ خوش خلقی کا ثواب بدسلوکی کے صدقے سے زیادہ ہے۔ خوش اخلاقی کے ساتھ آپ کسی کے ساتھ پیش آئیں تو بد اخلاقی کے ساتھ جو آپ صدقات دیتے ہیں اس سے کہیں زیادہ اس کا ثواب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں قول معروف کی تلقین کی ہے۔ اس سلسلے میں کچھ مسئلے بھی اٹھتے ہیں تو پہلی بات یہ کہ صدقہ دے کر طعنہ دینے سے ثواب بھی جاتا ہے اور بعض کے نزدیک اس سے عذاب بھی ہوتا ہے۔ لیکن تمام اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ ایذا پہنچانے سے صدقہ خود باطل نہیں ہوتا۔ آپ نے کسی کو زکوٰۃ دے دی تو بعد میں زکوٰۃ گے بدلے اس کو ایذا پہنچادی۔ تو وہ زکوٰۃ باطل نہیں ہوگی۔ آپ کا فرض ادا ہو جائے گا۔ لیکن

اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ صحت کے لئے قبول لازم نہیں ہے۔ مگر قبولِ عمل کے لئے صحت لازم ہے۔ مثلاً یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ جس میں ایذا پہنچائی جائے بعد میں اس زکوٰۃ کی صحت اس سے مجروح نہیں ہوتی۔ لیکن اس کی مقبولیت ختم ہوگئی تو کسی عمل کی صحت کے لئے اس کی مقبولیت ضروری نہیں ہے۔ لیکن مقبولیت کے لئے صحت ضروری ہے۔ کہ زکوٰۃ اگر مقبول ہو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حلال مال سے ہو۔ اگر وہ صدقہ صحیح ہوگا، اس کی صحت ہوگی غرض نہ ہوگی تب ہی اس کا اجر ملے گا، تو یہ بہت ہی اہم اصول ہے۔ کہ کسی عمل کی صحت کے لئے اس کے صحیح ہونے کیلئے اس کی مقبولیت شرط نہیں ہے۔ لیکن مقبولیت کے لئے صحت جو ہے، وہ شرط ہے۔ زکوٰۃ احسان جتانے اور ایذا سے باطل نہیں ہوتی۔ مگر مقبول بھی نہیں ہوتی۔ تو یہ تھا چوتھا مسئلہ کہ سائل کو منع کرنا کہ بیا معاف کرو، یہ حرام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس چیز کو حرام کیا ہے وہ سخت جواب دینا ہے۔ سختی سے سائل کے ساتھ پیش آنا۔ اس لئے سائل: قولاً معدوداً و مغفرتاً: یہ اللہ نے شرط رکھی ہے کہ اچھی طرح پیش آیا کرو اور اس کی خطا بھی معاف کرو۔

اللہ تعالیٰ ہم پر یہ فضل و کرم فرمائے کہ ہمارے دلوں میں وسعت پیدا کرے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ حُسنِ عمل عطا فرمائے کہ جس سے ہمارے اعمال اس کی بارگاہِ عالی میں قبول

ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ اخلاق عطا فرمائے جس کی اللہ تعالیٰ نے صدقات
 و خیرات اور اعمالِ صالحہ کی تلقین فرمائی ہے کہ جس کے نہ ہونے سے اعمال
 باطل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری نیکیوں کا اجر عطا فرمائے۔ ہمیں دنیا
 اور آخرت سے نجات عطا فرمائے اللہ تعالیٰ ہمیں وہ اعمال عطا فرمائے
 جس سے ہم اس کے کرم کے حاصل کرنے والے ہو جائیں۔ کوئی انسان بھی
 اپنے اعمال کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے کرم کا حق دار نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ کا کرم
 اس لئے ہوتا ہے کہ وہ کرم کرنے والا ہے۔

ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کو مقبول فرمائے۔ ہمارے
 اعمال میں اخلاص عطا فرمائے۔ ہمارے اعمال میں وہ خلقِ عظیم کی جھلک عطا
 فرمائے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کلامِ پاک میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے
 سے فرمایا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ۵



پَارَاةٌ تِلْكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَاتِ نَمْبَرِ ۲۶۴ - تا - ۲۶۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ
بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
فَمِثْلُهُ كَمِثْلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ
وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ
شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكَافِرِينَ ﴿۲۶۴﴾ وَمِثْلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ
أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيًا
مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمِثْلِ جَنَّةٍ بَرْبُورَةٍ أَصَابَهَا
وَابِلٌ فَفَاتَتْهُمُ أَكْلُهُمْ ضِعْفَيْنِ، فَإِن لَّمْ

يُصِبُّهَا وَابِلٌ فَطَلَّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾

اے ایمان والو! اپنے صدقے باطل نہ کرو و احسان رکھ کر اور ایذا دے کر، اس طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لائے۔ تو اس کی کہادت ایسی ہے جیسے ایک چٹان کہ اس پر مٹی ہے اب اس پر زور کا پانی پڑا جس نے اسے زرا پتھر کر چھوڑا۔ اپنی کھائی سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے، اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔ ﴿٢٦٣﴾ اور انکی کہادت جو اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے دل جملنے کو، اس باغ کی سی ہے جو بھوڑ پر ہو، اس پر زور کا پانی پڑا تو دوڑنے میوے لایا۔ پھر اگر زور کا میٹھا اسے نہ پہنچے تو اوس کافی ہے۔ اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ ﴿٢٦٥﴾

اے عزیزانِ محترم! میں نے جو آیات تلاوت کی ہیں ۲۶۲ تا ۲۶۵ ہیں
ہیں۔ یہ ساری صدقات کے متعلق ہیں۔ یہ ساری انفاق فی سبیل اللہ کے اللہ

کئی راہ میں خرچ کرنے کے متعلق ہیں، اس میں سے میں نے ۲۶۲، اور ۲۶۳ کی تفسیر پچھلی نشست میں آپ کو پیش کی تھی۔ اس نشست میں انشاء اللہ ۲۶۴، اور ۲۶۵ آیات کی تفسیر بھی ہوگی۔ آیت ۲۶۲، اور ۲۶۳ کی تفسیر جو پہلے بیان کی تھی اس میں اللہ تعالیٰ نے صدقات کے بعد النفاق فی سبیل اللہ کے بعض اعمال سے منع فرمایا تھا۔

وہ اعمال کیا ہیں، وہ یہ ہیں کہ آپ کسی پر پیسہ خرچ کریں، اللہ کی راہ میں کسی فقیر کو آپ صدقہ یا خیرات دیں تو اس کا احسان نہ جتائیں۔ اور اس کو طعن تشنہ کر کے اس کو اذیت نہ پہنچائیں۔ اس لئے کہ اس کے کرنے سے آپ کا وہ عمل باطل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: الذین ینفقون یحزنون ۵ : جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اپنے مال کو، اپنے مال کا دوسرے کے مال کا نہیں۔ مرنے کے بعد میری جائیداد میں سے صدقہ کر دینا۔ جب تک زندگی ہے میں مٹھی بند کتے رکھوں گا، وہ صدقہ قبول نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد تو وہ آپ کی ملکیت نہیں رہا، ورنہ اللہ کی ملکیت ہے تو جو کچھ کرنا ہے اس زندگی میں کرے۔ تو جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنے خرچ کتے ہوئے کا احسان نہیں جتاتے اور اس کا طعنہ نہیں دیتے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس اجر عظیم ہے، اور انہیں اولیاء اللہ کی طرح سے تمام مراعات حاصل ہوں گی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ ہی کے لئے فرمایا ہے: الا ان اولیاء اللہ....

يَحْزَنُونَ ۝ : تو جو لوگ صدقہ صدق کے ساتھ (صدقہ صدق سے بنا ہے) کرتے ہیں، یا النفاق فی سبیل اللہ صدق کے ساتھ کرتے ہیں، اخلاص کے ساتھ اور اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ انکو طمانیت قلب حاصل ہوتا ہے ان کو نہ یہاں کا کوئی غم ہے نہ آگے کا کوئی خوف ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مانگنے والے سے یعنی ضرورت مند سے اچھی طرح گفتگو کر لینا ہی اس صدقے سے کہیں بہتر ہے، جس میں طعن تشنہ اور اذیت ہو۔

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ صدقہ دینے سے پہلے بھی اور صدقہ دینے کے بعد بھی اخلاق ضروری ہے : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَبَطَّلُوا صَدَقَاتِكُمْ : اے صاحبانِ ایمان! یہاں ایمان والوں کو پکارا ہے۔ تم جو میرے وفادار ہو میرے ہو گئے ہو تو میں تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں اور تم سے توقع ہے کیونکہ تم صاحبانِ ایمان ہو۔ لہذا میرے حکم کی اطاعت کرو گے۔ اور صدق کا مظاہرہ کرو گے، اپنے اعمال میں۔ اور تبطلو کس سے باطل جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں تم خرچ کرتے ہو اس کو تم باطل نہ کرو اس کو تم ضائع نہ کرو۔ اس سے تمہارا یہ عمل ضائع ہوگا۔ تم میری راہ میں خرچ تو صدق کے ساتھ کرو، میری رضا کے لئے خرچ کرو، میں تمہیں اجر دوں گا۔

كَالَّذِي يَنْفِقُ مَالَهُ..... وَالْيَوْمِ الْآخِرِ : ایسے لوگوں کی طرح سے خرچ نہیں کرو۔ جو اپنا مال خرچ کرتے ہیں، لوگوں میں دکھاوے کے لئے۔ : رِئَاءَ : جو ہے وہ رویت سے ہے، دیکھنے سے ہے۔ یعنی

کا الذی : یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے وہ لوگ : ینفق مآلہ : کہ جو
 اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں۔ : رثاء الناس : لوگوں میں دکھاوے کے
 لئے : ولا یومن باللہ والیوم الآخرط : اور اللہ پر ایمان و یقین
 نہیں رکھتے۔ اگر وہ اللہ پر ایمان رکھتے اور آخرت پر یقین رکھتے تو دنیا میں اس
 کی کھائی خرچ کئے ہوئے مال کی دنیا میں حاصل کرنے کی تمنا نہ رکھتے مجھ
 سے صلہ مانگتے۔ مجھ سے انعام مانگتے۔ اور ایسے لوگوں کی مثال کس کی ہے۔
 کیسی ہے؟ : فمثله کمثل : ان کی مثال اُس جیسی ہے : صفوان
 علیہ : ایک اونچا پتھر ہے اونچی جگہ پر : علیہ تراب : تو اس اونچی
 چٹان پر پتھر پہ خشک مٹی ڈھول پھری ہوتی ہے، اور آپ اس میں کھیتی کا
 ارادہ کرتے ہیں۔ اس پر کھیتی تو نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ : فاصابہ :
 جب اس تک کوئی پہنچے گی : وابل : ایسی بارش جو موٹے قطرے
 والی بارش، تیز بارش ہوگی تو کیا ہوگی : فتذکہ صلداط : وہ ساری
 گمرد، مٹی ڈھل جائے گی، اور پتھر کا پتھر رہ جائے گا۔ اس پر تو آپ کوئی
 فصل نہیں اگا سکتے، اس سے کوئی فصل نہیں کاٹ سکتے۔ تو ان لوگوں کی
 مثال جو کہ اپنے مال کو دنیا میں دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر
 ایمان نہیں رکھتے، اس کے انعامات پر ایمان نہیں رکھتے، اور یوم آخرت پر
 ایمان نہیں رکھتے۔ اور اللہ تعالیٰ سے توقع نہیں باندھتے۔

واللہ لا یمہدی القوم الکفرین ۵ : اللہ تعالیٰ ایسے

لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو کفر کرتے ہیں۔ جو اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت کے خلاف ہوتا ہے۔ تو پچھلی تین چار آیات سے انفاق فی سبیل اللہ۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایسا ہی ہے، جیسے ایک گھوڑوں کا بیج ڈالا۔ اس میں سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو سو دانے نکلے۔ تو اس طرح تمہیں سات سو گنا اجر ملے گا۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ احسان اور اذیت جو ہے اگر آپ نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے اور دینے والے پر احسان جتنا ہے تو وہ ضائع ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے دینے سے پہلے ہی نہ تم احسان جتاؤ نہ اذیت دو۔

یہاں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یاد دہا کرنا کہ انہیں آمینوا کہہ کر کے پکارا ہے۔ تو دراصل یہ بتایا ہے کہ ایمان اور ممنوعات پر عمل دونوں ایک ساتھ ہتیں چل سکتے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ اپنے آپ کو مومن بھی کہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے وہ بھی ساتھ کریں کہ پیسے دیکر احسان بھی جتائیں، اذیت بھی دیں، تو پھر آپ مومن نہیں کہلاتے جاسکتے۔ اگر تم مومن ہو تو میرے بچنے پر عمل کرو گے۔ اور احسان و ایذا سے مطلب صدقہ کے وقت طعنہ دینا ہے اور ریا کا مطلب ہے، ایک دوسرے کو۔ تو صدقہ جو ہے وہ صدقہ ہے آپ دنیا میں تجارت کرتے ہیں تو جو نمونہ آپ نے دکھایا ہے، اپنے گاہک کو۔ اگر اس کے مطابق مال اس کو دیں گے، تو پھر وہ مال منظور کیا جائے گا اور اس کی ادائیگی ہوگی اور اگر نمونے کے مطابق نہیں ہے تو وہ مال قابل

قبول نہیں ہوگا۔ اس کا معاوضہ نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ : لَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ : اگر یہ آپ کو یاد ہے اور اپنے ہر عمل کو اگر آپ نے اس نمونے کے مطابق کیا ہے، پھر تو وہ عمل مقبول ہے۔ اور اس نمونے کے مطابق نہیں ہے تو وہ مقبول نہیں ہے۔ وہ باطل نہیں ہوتا، لیکن اس کا ثواب نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ بعد میں توبہ کر لیں، تو اللہ تعالیٰ تو بڑا کریم ہے۔ وہ توبہ کرنے والوں کی خطا کو معاف کر دیتا ہے۔ پھر آپ کی اس خطا کی معافی ہو جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی کریمی سے اسے اس ثواب کی بھی آپ اُمید کر سکتے ہیں۔

اعمال کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ : لَقَدْ كَانَ
 حسنہ : کی تفسیر ہونا چاہیے آپ کا عمل اس کا عکس ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں ایک بات یاد رکھیں۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سید الشہداء، آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی اور جنگِ اُحد میں جب وہ شہید ہوئے تو ہندہ جو ابوسفیان کی بیوی تھی۔ حضرت ابوسفیان تو بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے، لیکن جنگِ اُحد میں وہ کفار کے ہمراہ لڑ رہے تھے۔ تو ان کی یہ بیوی تھی۔ اس نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ اور آنکھیں نکال کر کے چبا ڈالیں۔ اتنی شقاوت کی اور اتنا ظلم کیا۔ اور پھر آپ کی لاش کی بے حرمتی کی۔

ابوسفیان ہی کی بیٹی حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا اُمّ المؤمنین تھیں۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی زوجیت میں تھیں۔ ساری زندگی حضور اکرم ﷺ نے کبھی اس بات کا طعنہ نہیں دیا کہ اس کی ماں نے میرے چچا کا کلیجہ چایا تھا۔ ہم تو آئے دن ذرا سی خطا بھی ہوتی ہو اس کی دس پشت کی کھال کھینچ کے رکھ دیتے ہیں۔ یا بیوی کو ذرا سی شوہر سے شکایت ہوتی تو اس کے سارے خاندان کی ایسی کئی تیسی پھیر دیتی ہے۔ یہ اُسوہِ حسنہ کیا ہے؟ کہ آپ کی بیوی کی ماں نے آپ کے چچا کا کلیجہ چایا تھا۔ اور بیٹی ان کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ساری زندگی انہوں نے کبھی اس کا طعنہ نہیں دیا۔ یہ ہے نمونہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی مبارک زندگی کا۔ کہ طعن تشنیع وہ ممنوعہ اعمال ہیں اس سے اعمال خراب ہو جاتے ہیں۔ اور اسکی بہترین مثال سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ پاک ہے، آپ کا اُسوہِ حسنہ ہے۔ تو ہمارے اعمال قابلِ ثواب اسی وقت ہوں گے جب وہ اس نمونے کے مطابق ہوں۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے کچھ اصول مرتب ہوتے ہیں۔ پہلی بات کیا ہے؟ کہ طعن تشنیع اور ایذا رسانی سے عمل برباد ہو جاتے ہیں۔ جس نے ایذا خود پہنچائی ہو یا جس کو شرعی حدود لگی ہو اس کو آپ منرا ضرور دیں لیکن اس کو عمل کا طعنہ نہ دیں۔ ایک زانی کو سنگساری کی سزا ہوئی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے اُن کو منع فرمایا۔ اس کو اللہ کے حکم کے مطابق منرا مل رہی ہے، اب اسکو کچھ نہ کہو کوئی طعن تشنیع نہ دو۔ تو گنہگار کو گناہ کی سزا یہاں اگر اللہ نے حدود مقرر کر دی ہوگی یا آخرت میں ہوگی، لیکن کسی

دوسرے انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کو بُرا بھلا کہے، ہم تو ایسے نیک لوگ ہیں کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں۔ بُروں کو بُرا کہنا تو الگ بات ہے، اچھوں کو بُرا کہنا یہ بات غلط ہے کہ طعن تشنیع اور ایذا رسانی سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ جس شخص نے ایذا رسانی کی ہے۔ یا جس نے کوئی خطا کی ہے اگر اس پر شہری حدود بھی ہوں تو ان حدود کا نفاذ کرو لیکن طعنہ انہیں نہ دو۔ اور میں نے حضور اکرم ﷺ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مثال دے دی ہے۔

دوسری بات کیا ہوئی کہ اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان ضروری ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کہ تمہارے اعمال مقبول ہوں گے۔ اگر تم ایذا رسانی نہ کرو۔ اور طعنہ نہ دو۔ تو قبولیت کیلئے ایمان ہونا ضروری ہے۔ اگر ایمان نہیں ہے تو دنیا میں اس کا انعام مل سکتا ہے، اس کی نیکی کا۔ لیکن آخرت میں اس کے سارے نیک اعمال بیکار ہو جائیں گے۔ اور تیسری بات یہ کہ طعنہ سے اصل عمل باطل نہیں ہوتا، اس کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اور اگر آپ توبہ کر لیں، اس عمل سے جس سے اس عمل کی صحت خراب ہوگی تو پھر اس سے توبہ کے بعد ثواب کی اُمید رکھی جاسکتی ہے اللہ تعالیٰ آپ کی خطا معاف کر دے گا تو انشاء اللہ آپ کو اس کا ثواب بھی ملیگا۔ ریا کاری کیا ہے؟ دکھاوے کے لئے صدقات اور نیکیاں کرنا یہ منافقت سے عمل کرنا ہے۔ بظاہر تو آپ اللہ کی راہ میں دے رہے ہیں، لیکن درپردہ آپ لوگوں پر اپنا رعب ڈالنے کے لئے اپنی نیکی کا رعب ڈالنے کیلئے

کر رہے ہیں تو یہ منافقت ہے۔ منافق کا حال کافروں جیسا ہے۔ منافق کو اعمال کی جزا نہیں ملتی۔ اور یہ ریاکاری یہ منافقت کی آمیزش سے عمل کرنا ہے تو یہ مومن کو منافقت زیب نہیں دیتی۔ اس لئے کہ ریا اور طعنہ سے نیکی، نیکی نہیں رہتی۔

چھٹا اصول یہ ہے کہ دنیا والوں سے اپنی نیکی کی اُجرت نہ وصول کرے۔ اگر عبادت کی آپ اُجرت دنیا میں حاصل کریں گے۔ تو وہ عبادت عبادت نہیں رہے گی۔ ہاں مدرس کو جو دین کا علم لوگوں کو دیتا ہے اور اپنا وقت دیتا ہے اور اپنی روزی کمانے کے لئے۔ اس کی ایک استثناء ہے، ورنہ کسی عبادت کا اُجر لینا دنیا میں جائز نہیں ہے۔ اور اس استثناء کی بنیاد یہ بعض اہل طریقت یعنی پیر صاحبان نذرانہ لیتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں یہ اللہ کے فقیر ہوتے ہیں، اور اللہ کے بھروسے پر توکل کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے وسائل میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہوا ہے۔ اس پر گزارا کرتے ہیں۔ وہ اپنے مریدوں سے توقع نہیں کرتے کہ وہ ان کی مُٹھیاں گرم کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں ایک اور مثال اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے کہ اگر تم نے اس سے پہلے ریاکاری کر دی ہو، اذیت دے دی تو وہ تو کھیتی چٹانوں پر دھول پڑی ہوئی تو بارش سے سب صاف ہو جائے گا۔

اب اخلاص اور صدق کے ساتھ جو عبادت ہے یا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اس کی مثال اگلی آیت مبارکہ میں (۲۶۵ میں) اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے: ومثل الذین : ان لوگوں کی مثال ایسی ہے: ینفقون اموالہم
 جو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں؟ کس طریقے سے: لہم ابتغاء
 مرضات اللہ: تو وہ لوگ ابتغاء کہتے ہیں حاصل کرنا تلاش کرنا۔ تو جو
 لوگ اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں، اللہ کی رضا حاصل کرنے کیلئے: وتثبیتا
 من انفسہم: اپنے دل کو ثبات قدم کر کے دل میں طمانیت پیدا کر کے دل
 کو مضبوط کر کے تقویت دے کر کے اپنے عمل سے اللہ کی رضا حاصل کرتے ہوں،
 ان کی مثال کیسی ہے؟: کمثل جنة بديوة: اونچی زمین کو رپوہ کہتے ہیں
 بلند مقام کو، ان کی مثال اس اونچی زمین بر باغ کی ہے کہ: اصابها وابل:
 وہاں پر تیز بارش ہوگئی، تو وہ پانی ٹھہر کے درختوں کو برباد نہیں کرتا۔ وہ وہاں سے
 گرجاتا ہے۔ جتنی ضرورت ہے وہاں نمی آجاتی ہے: فانت اكلها ضعفين؛
 ضعفین، اضافے سے ہے۔ تو وہاں پر انہوں نے جو کچھ بویا تھا، اُس کی فصل
 دگنی ہوتی ہے: اصابها وابل: اگر وہاں پر تیز بارش ہوگئی، تو کیا ہوتا ہے؟
 اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ: اكلها ضعفین: اس پہ پھل، فصل وہ دگنی پیدا
 ہوتی ہے، جیسے مری کے پہاڑ ہیں وہاں جو سیب اور آڑو کے باغات ہیں، اور
 فان لم یصبها وابل: اور اگر کسی وجہ سے وہاں پر تیز بارش نہ ہوئی، تو
 اُن کے لئے پھوار والی بارش یا ادس یا شبنم ہی کافی ہوتی ہے۔ اس میں بھی
 فصل ہوتی ہے۔ تو اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں اللہ کی رضا حاصل کرنے
 کے لئے، اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے، آپ نیک اعمال کرتے ہیں وہ اس

بلند مقام جنت کی طرح سے ہے، فردوس جو ہے وہ باغ ہے۔ جس میں انگور کی بیلین ہوں، اور جنت وہ ہے جس میں کھجوریں بھی ہوں۔ یہ فرق ہے جنت اور فردوس میں۔ تو وہ باغ جس میں کھجوریں ہوں۔ آپ کے پسندیدہ میوے ہوں۔ یعنی اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے جو نیک اعمال ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہو گیا۔ تو دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا انعام ملتا ہے۔ آپ کے صدق اور اخلاص کی بنیاد پر۔ اور اگر صدق اور اخلاص میں تھوڑی سی کمی بھی ہو گئی تو بھی آخرت میں فردوس کا اجر ملتا ہے۔ کبھی دُگنا ثواب ملتا ہے، دین و دنیا دونوں میں اور کبھی آخرت میں صرف ملتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ کبھی ایسا ہو کہ اس کھیتی میں فصل ہی نہ آئے اس لئے کہ وہ بلند اور زرخیز مقام کی کھیتی ہے۔ خلوص اور اخلاص کے ساتھ نیک اعمال۔

واللہ بما تعملون بصیر ○ : اے صاحبانِ ایمان ! تم لوگ یہ ایمان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے اور چونکہ وہ دیکھ رہا ہے تو تمہارے صدق کے حساب سے تمہارے اخلاص کے حساب سے تمہاری رضا جوئی کے حساب سے اس کا اجر تم کو دے گا۔ اس بلند کھیتی میں ضرور تمہیں فصل عطا فرمائے گا۔

تو پہلے باطل صدقہ کی مثال دی۔ اب مقبول صدقہ کی مثال دی، اللہ تعالیٰ نے۔ اور صدقہ تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک صدقہ برائے ریا، یہ

بدترین قسم کا صدقہ ہے، اور ایک صدقہ برضائے رب جس کی مثال
 اللہ تعالیٰ نے دی۔ یہ بہترین طریقے کا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اور ایک
 صدقہ برائے حیثیت ہے۔ اسکی درمیانی حیثیت۔ یعنی اپنے مال کو خرچ کرتے
 ہیں: بغیاً: جیسے میں نے کہا یہاں یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لہم
 ابتغاء: ابتغاء جو ہے وہ بغیاً سے ہے۔ بغیاً کا مطلب ہے تلاش
 کرنا۔ طلب کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وتثبتا من انفسهم
 تثبتت جو ہے ثبات سے ہے۔ اس کا مطلب ہے تصدیق، یقین، اور
 تحقیق اور اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے: فانت اکلها: پھل تو
 طرح کے ہوتے ہیں۔ لیکن: اکلها: اس پھل کو کہتے ہیں جس کو آپ
 کھا سکیں۔: ضعفین: کا مطلب ہے دگنا۔ اور: وابل: کہتے ہیں
 موسلا دھار بارش جو ہوتی ہے۔ موٹی بوندوں والی اور: فطل: جو ہے
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ نہیں آتی تو پھر وہ پھوار یا شبنم قطرہ گرتا
 ہے، یا پھوار گرتی ہے۔ اسکو کہتے ہیں: فطل۔

اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ رضائے الہی میں آپ جو صدقات
 اور خیرات کرتے ہیں، اس باغ کی طرح ہے جو اعلیٰ اور قابل پیداوار اونچی
 زمین پر ہو۔ پتہ یہ لگا کہ جو آپ کمال اخلاص سے عمل کرتے ہیں، اس میں
 دنیا اور آخرت دونوں میں پھل ملتا ہے۔ اور اگر دنیا میں پھل اس کا نہیں
 ملتا تو آخرت میں ضرور ہی ملتا ہے۔

اس سے کچھ اصول مرتب ہوتے ہیں۔ پہلی چیز یہ کہ چار چیزیں ایسی ہیں جو صدقات کو باطل کرتی ہے۔ ایک ہے بے ایمانی۔ ایمان نہیں ہے تو صدقات اور سارے نیک اعمال ضائع ہو گئے۔ دوسری ہے ریاکاری اور بتسری ہے ایذا، اور چوتھی ہے احسان جتاننا۔ اور دو چیزیں جو ہیں، وہ موجب مقبولیت ہیں۔ ایک ایمان اور دوسرا، اخلاص۔ اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کھیتی والے باغ کو کہ: **يَنْفِقُونَ اموالهم..... اللہ:** خالصتاً اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں صدق ہوتا ہے، تو پھر اس کا انعام ملتا ہے۔ تو ایمان اور اخلاص جو ہیں وہ موجب مقبولیت ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ جو ہے جب ہمارے سیونگ سرٹیفکیٹ بینک اکاؤنٹ سے کٹتا ہے تو اس کو یہ سمجھیں کہ یہ زبردستی کٹ گیا اور یہ تو ٹیکس ہے جو بینک نے وصول کر لیا اس کا کوئی ثواب نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ خوش ہوئے کہ اچھا ہوا یہ زکوٰۃ میری ادا ہو گئی اور اللہ کی راہ میں میرا خرچ ہو گیا۔ تو پھر اس کا وہ مقبول ہو گا۔ صدقہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ خوشی خوشی وہ صدقہ آپ دیں۔ بوجھ سمجھ کر کے نہ دیں۔

اور جو صدقے ہیں، ان کے بھی درجے ہیں۔ جیسے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بارش ہو گئی تو دگنی نہ ہوتی تو بھی پھوار سے فصل ہوتی۔ تو کچھ صدقے بہت نافع ہوتے ہیں اور کچھ کم نافع۔ صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ، کے بھی درجے ہیں۔ کوئی بہت زیادہ نافع ہے اور کوئی کم نافع ہے۔

ان آیات کی ایک تفسیر صوفیانہ ہے۔ پرانے زمانے میں آپ نے سنا تھا کہ لوگ کیمیا سے تانبے کو سونا بناتے تھے۔ اسی طرح تمہارے اعمال جو ہیں تانبے کی طرح ہیں اور صدق و اخلاص جو ہے وہ کیمیا ہے جو اس تانبے کو سونا بنا دیتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ صدقہ دینے سے پہلے تم خود مال کے محافظ ہوتے ہو، اور اللہ کی راہ میں جو خرچ ہو جاتا ہے اس کا کیا حال ہے۔ ہم اس کے محافظ ہوتے ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں تو وہ ہمارا محافظ بن جاتا ہے۔ اسی لئے کسی آنے والی بلا کو، پریشانیوں کو ٹالنے کے لئے ہم صدقہ دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ صدقہ ہمارا محافظ ہو جاتا ہے اور ان بلاؤں اور مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے۔ اور جو صاحب نظر ہوتے ہیں وہ ان مصیبتوں کے آثار پیدا ہونے سے بہت پہلے صدقہ دے ڈالتے ہیں، کیونکہ ہماری آنکھیں کمزور ہیں باطنی، ہمیں تو آنے والی مصیبت کا نہیں پتہ چلتا لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے بہت ہی شکر گزار ہیں کہ ہم اس فقیر کے غلام ہیں جن کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جب ان کی نگاہ باطن دیکھتی تھی کہ کوئی مشکل میری طرف آرہی ہے، تو وہ میرا صدقہ نکال دیتے تھے حضور شاہ افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ جب دیکھتے تھے کہ کوئی مشکل میرے پر آرہی ہے اور ان کو نظر آ جاتا تھا تو وہ خود ہی میرا صدقہ نکال دیتے تھے، اور مصیبت ٹل جاتی تھی تو پھر مجھے اس کی اطلاع قلندر صاحبہ سے ملتی تھی، کہ فلاں مشکل آنے والی تھی آپ پر بعد میں

مجھے پتہ لگتا تھا کہ یہ کچھ ہو رہا تھا کوئی سازش ہو رہی تھی وہ ختم ہو گئی تو وہ صاحبِ نظر ہیں وہ اپنے مال سے اپنی دُعاؤں سے اپنی توجہ سے اس طرح دیکھ بھال کرتے ہیں کہ جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مال اللہ کی راہ میں دینے سے پہلے تم اس کے محافظ ہوتے ہو جب تم اللہ کی راہ میں دے دیتے ہو تو مال تمہارا محافظ بن جاتا ہے۔ اور جو اللہ کے نیک بندے ہیں وہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اپنے متوسلین اور مُجبتین کو مُصیبینوں اور مشکلوں سے بچانے کیلئے اور انکی حفاظت کیلئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اعمال میں اخلاص عطا فرمائے۔
 اللہ تعالیٰ ہمیں وہ توفیق اور سلیقہ عطا فرمائے کہ ہم جو بھی عمل کریں اس کی رضا کے لئے کریں۔ ہم اس کا دنیا میں صلہ تلاش نہ کریں۔ اگر ہمیں کوئی تکلیف دے تو اللہ تعالیٰ ہمیں صبر کی توفیق عطا فرمائے ہم کبھی اس کے لئے کسی دوسرے کو ملزم نہ گردانیں ہم اس کے لئے کسی دوسرے کو طعن تشنیع نہ دیں ایذا نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اور ہمیں سرکارِ دو عالم ﷺ کی ایسی محبت عطا فرمائے کہ ہمارے تمام اعمال اس عظیم نمونے کے مطابق ہو جائیں جو کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے تمام مخلوقات کو اپنی اُمت کو پیش کئے۔

وآخر دعوات ان الحمد لله رب العالمین ۞

يَا رَةَ تَلِكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَاتِ نَمْبَرِ ٢٦٦ تَا ٢٦٤

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلَىٰ اٰلِیْكَ وَاَصْحَابِیْكَ يَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

اَیُوْدُ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ
نَّخِیْلِ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ
لَهُ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ
وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضِعْفًا مِّنْ فَاصَاتِهَا اِعْصَارُ
فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمْ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٦٦﴾ يَا أَيُّهَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ
وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ مَوْلَا
تَتَّبِعُوْا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَاَسْتُمْ
بِاِخْتِاٰبِهِ اِلَّا اَنْ تُغْنِیُوْا فِیْهِ وَاَعْلَمُوْا

أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٤﴾

کیا تم میں کوئی اُسے پسند رکھے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو، کھجوروں اور انگوروں کا، جس کے نیچے ندیاں بہتیں اس کے لئے، اس میں ہر قسم کے پھلوں سے ہے، اور اسے بڑھاپا آیا اور اس کے ناتواں بچے ہیں، تو آیا اس پر ایک بگولا جس میں آگ تھی تو جل گیا، ایسا ہی بیان کرتا ہے اللہ تم سے اپنی آیتیں کہ کہیں تم دھیان لگاؤ۔ ﴿٢٦٦﴾ اے ایمان والو اپنی پاک کمائیوں میں سے کچھ دو، اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا۔ اور خاص ناقص کا ارادہ نہ کرو کہ دو تو اس میں سے اور تمہیں ملے تو نہ لوگے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو، اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ سراہا گیا ہے۔ ﴿٢٦٤﴾

اے عزیزانِ محترم! میں نے ۲۶۳ سے لیکر کے ۲۶۴ آیات کی تلاوت کی ہے۔ آج ۲۶۶- اور ۲۶۴، سورہ بقرہ کی تفسیر بیان کروں گا۔ کچھلی چند آیات میں اللہ تعالیٰ نے صدقہ خیرات کے احکامات نازل

فرمائے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ بتایا گیا کہ صدقہ وہ نیکی ہے جس کا اجر بے حساب ہے۔ اس کی مثال ایک صدقے کی ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ گہیوں کا آپ نے بویا تو اس میں پودا لگا اور ہر پودے میں سات (۷) دانے لگائیں، اور ہر بالی میں سو سو (۱۰۰-۱۰۰) دانے لگائیں تو ایک کا سات سو (۷۰۰) گنا ہوا۔ اور اگر خود جا کر جہاد میں خرچ کیا تو سات سات لاکھ گنا ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ صدقہ جو ہے وہ حلال مال سے کرو۔ حرام کا صدقہ ناقابل قبول ہے۔ خیرات و صدقات کی صحت درست ہونا چاہیے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیات میں یہ بتایا کہ احسان جتنا نایا کسی کو تنگ کرنا یہ صدقہ و خیرات کو ضائع کر دیتا ہے۔ لہذا تم اس کی حفاظت کرو، اور اس سے بچو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مثال دی بے دینوں، کافروں اور منافقوں کی جو ان چیزوں کا خیال نہیں کرتے۔ صدقہ اور خیرات ہم جو احسان رکھ کر کرتے ہیں۔ اور اذیتیں اور طعنے دے کر کرتے ہیں، وہ صرف دکھاوے کے لئے کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا ایمان نہ آخرت پر ہے اور نہ دنیا پر ہے اور ان کی مثال اللہ تعالیٰ نے ایسی بیان کی کہ جیسے کہ کوئی صاف ستھرا پتھر ہو اور اس پر تھوڑی سی مٹی جم گئی ہو اور وہاں آدمی کھیتی کرنے کی کوشش کرے تو وہاں پر موسلا دھار بارش ہوئی تو ساری مٹی بہ گئی۔ جو کچھ کمایا تھا، محنت کی تھی وہ سب ضائع ہو گئی اور پھر چٹان کی چٹان نکل آئی۔ اور ان لوگوں کو

جو کچھ انہوں نے اس میں سے کھایا ہے کچھ حاصل نہیں ہوتا اس نیکی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کرنے والوں کو کافرین کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔

ہدایت تو مومنین کے لئے ہے جو سر تسلیم خم کرتے ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مثال دی کہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقے سے اپنے حلال مال میں سے وہ صدقات و خیرات کرتے ہیں اور اسکو احسان بجا کر کے اور ایذا دے کر کے اس کو برباد ہونے سے بچاتے ہیں۔ اور جو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کو نہ دو، اللہ کی راہ میں نہ دو یہ نہ ہو کہ اچھا مال اپنے پاس رکھو اور خراب مال جو ہے اللہ کی راہ میں دے دو۔ تو اللہ فرماتا ہے: ایود احدکم ان تکون له جنة من نخيل واعناب: ایود، وہ سے ہے معنی محبت کرنا، پسند کرنا تو کیا تم میں سے کسی کو یہ بات اچھی لگتی ہے کیا: ان تکون له جنة: کہ تمہارے لئے تمہارے پاس ایک باغ ہو اور کیسا باغ ہو؟: من نخيل واعناب: اور اس باغ میں کھجور اور عناب اور نخل کھجوریں ہوں۔ اور انگور کا باغ ہو۔ اور: تجرى من تحتها الانهار: اس کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں، وہ بہت اچھا باغ ہو اس میں آبیاری کا بھی بندوبست ہو۔: له فيها من كل الثمرات: اور اس باغ میں ہر طرح کے پھل بھی لگ سکتے ہوں، اور وہ آدمی جس کے پاس یہ سب کچھ

ہے : واصباب الصبر : وہ بوڑھا ہو جائے یعنی کوئی اور کام کرنے کے قابل نہ رہے ، اس کا گزارا اس باغ سے ہو : ولہ ذریۃ ضعفا : اور اس کی اولاد ، ذریت ؛ کہتے ہیں اولاد کو۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو ذر ؛ کہتے ہیں چیونٹی کو۔ اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ چیونٹیوں کو دانہ وغیرہ دیتے تھے۔ تو وہ عام اصطلاح میں عربی میں ذریۃ کے معنی ذرہ ہے یا چیونٹی ہے اور چھوٹے بچے بھی اس میں آجاتے ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں ذریات۔ تو اس کے بچے بھی چھوٹے اور کمزور ہوں۔ یعنی اس کے بچے بھی اتنے چھوٹے ہوں کہ ابھی کھائی کے لائق نہ ہوں۔ ایسی صورت ہو اور وہاں اس باغ میں پہنچ جاتے۔ بگولا جو اٹھتا ہے نا، ہوا تک تیز۔ تو فاصباہا اعصار : اور اس باغ پر بگولے کا حملہ ہو گیا۔ اور وہ کیسا تھا بگولا وہ آگ بگولا جیسے فیہ نادر : اور اس میں بھڑکتی ہوئی آگ ہو۔ اس ہوا کے بگولے میں : فاحتوقت : حرق کہتے ہیں آگ لگانے کو جلا ڈالنے کو اور پھر سب باغ اس کا جل گیا۔

یہ اللہ تعالیٰ نے مثال دی ان لوگوں کی جنہوں نے نیکیوں کا باغ لگایا ہر طرح کا بندوبست کیا، اہتمام کیا اس نیکی کے لئے۔ لگتا تھا کہ اس کا فائدہ پہنچے گا، پھل نکلے گا، اچھی فصل نکلے گی۔ لیکن کیا ہوا کہ بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنے نیک اعمال ضائع کر دیئے۔ اگر صرف زکوٰۃ ہو اور خیرات ہو اور ایذا رسانی اور احسان جتانے سے ضائع کر دیا۔ اگر دوسرے اعمال

ہیں تو اچھے اعمال کو بُرے اعمال سے ضائع کر دیا۔ تو : فاصابہما
اعصار..... لعلکم تتفكرون ۞ :

اللہ تعالیٰ اسی طرح سے صاف صاف اپنی نشانیاں آیات بیان کرتا
ہے تاکہ تم اس پر غور و فکر کر سکو۔ یعنی ایک اچھے اعمال کو بد اعمالیوں
سے برباد کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیسے برباد ہو جاتا ہے، ختم ہو جاتا ہے؟
اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے انگور اور کھجوروں کا باغ لگایا ہو،
نہریں بھی جاری ہوں اور وہاں اور دوسرے پھل پیدا ہو سکتے ہوں۔ اور
سب اُمیدیں اس سے وابستہ ہو جائیں اور باغ کا مالک خود بوڑھا ہو کوئی
عمل نہ کر سکتا ہو، کوئی تلاش معاش اور دوسرا کام نہیں کر سکتا ہو، بچے
چھوٹے چھوٹے ہوں۔ نجیف کمزور ہوں، وہ کچھ نہیں کر سکتے ہوں، یعنی زندگی
آپ کی گزر گئی۔ آپ نے جو اعمال بھیجے تھے وہ اپنی حرکتوں سے آپ
نے ضائع کر دیئے بچے ابھی اتنے بڑے نہیں ہیں کہ وہ آپ کے لئے نیک
اعمال کریں! زکوٰۃ کریں، ایصالِ ثواب کریں تو آپ کو کیا ملے گا، کچھ نہیں
ملے گا۔ ایک جلا جوا باغ ملے گا، تو اس طریقے سے مثالوں کے ذریعے یہ بھی
تبلیغ کا ایک طریقہ ہے۔

تبلیغ میں اللہ تعالیٰ کی باتیں جو ہیں مثالوں سے واضح کی جاتی ہیں
یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب تبلیغ کریں۔ لوگوں کو سمجھائیں مثالیں دیکر
کے سمجھائیں۔ تو اس آیت کا جس کی ابھی تفسیر بیان کی ہے۔ اس کا تعلق

کیا ہے؟ پہلے تو بتایا گیا تھا کہ صحیح اچھے مال کی صحت ہونا چاہیے۔ صدقات
 کی صحت ہونا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ ان کو قائم رکھنا ہے نیک نیتی سے
 نیک عمل سے، احسان سے اور تاکر کے اس کو ضائع نہیں کرنا ہے اور
 اب یہ ہے کہ اگر اس طرح کے اعمال جو ہیں وہ احسان ہے، ایذا سے
 پاک نہ ہوں سرے سے تو پھر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اب اس
 صدقے کا ذکر ہے کہ جس کی عقل تو صحیح ہے مگر وہ بے کار ہو گیا بد اعمالی
 سے۔ تو جو اس صدقے کی مثال دی جا رہی ہے کہ جو حقیقت میں تو صحیح
 ہے لیکن آخر میں باطل ہو جاتا ہے۔ اس آیت مبارکہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور
 صحابہ کرام نے تصحیح پوچھی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ اسکی
 مثال ہے کہ جو نیکیاں بذاتِ خود بہتر ہوں۔ تو تم بعد میں شیطان اور نفس
 کا شکار ہو کر کے وہ شخص گناہ کر لے، اور اپنی ساری نیکیاں برباد کر دے۔
 یہ تفصیل بہت وسیع ہو گئی، آیت تو بظاہر لگتا ہے کہ صدقات
 و خیرات کے متعلق ہے، کہ اچھے مال سے صدقہ و خیرات کو بد اعمالیوں
 سے برباد نہ کرو لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نہیں اس آیت
 کا تو بہت وسیع احاطہ ہے، اس میں سارے اعمال آجاتے ہیں، کہ
 سارے اعمال خواہ کتنے اچھے ہوں اگر ان اچھے اعمال کی حفاظت آپ
 نے نہیں کی اور اس کے بعد بد اعمالیاں شروع کر دیں۔

ہمارے گھر ایک صاحب تشریف لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے

شروع میں بہت کرم کیا، انہیں بیعت بھی کیا، سماع میں بھی آپ لوگوں نے ان کا حال دیکھا اس کے بعد انہوں نے آنا بند کر دیا، اور رمضان میں روزے رکھنے بند کر دیئے۔ اور نماز میں کہتے لگے کہ میرا جی نہیں لگتا۔ ابھی میں بتاؤں گا کہ شیطان کن کن لوگوں کا دشمن ہوتا ہے، شیطان دشمن اہل طریقت کا ہوتا ہے، ذاکرین کا ہوتا ہے، صابرین کا ہوتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کے لئے بہت ہی کوشش کرتا ہے۔ خود بھی کوشش کریں اس سے بچنے کی اللہ سے مدد مانگیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد کی تلاش کریں، تو پھر جا کے بچت ہوتی ہے، ورنہ وہ خراب چیزوں کو اچھا کر کے پیش کرتا ہے۔ تو ان کو جو کچھ یہاں نعمتیں ملی تھیں سب برباد ہو گئیں۔ تو اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بتایا کہ اپنی نیکیوں کی حفاظت کرو، ایسا نہ ہو کہ بعد کی بد اعمالیوں سے وہ ساری نیکیاں ضائع ہو جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تفسیر کو بہت پسند فرمایا ہے، اور یہ ثابت کر دیا کہ اس آیت مبارکہ کا اطلاق تمام اعمال پر ہوا کرے گا۔ اس کے کچھ فائدے ہیں۔ ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ تبلیغ و وعظ کے لئے مثالیں بہت ضروری ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، عام لوگوں میں جب اللہ تعالیٰ کی باتیں بتائیں تو مثالوں کے ذریعے سے ان کو سمجھائیں۔ دوسری بات یہ کہ عمل کا دار و مدار جو ہے وہ اس کے خاتمہ بالخیر پہ ہے۔ نیک عمل کیا اور اس کی حفاظت کرتے رہے۔ اچھے اعمال کے ساتھ ان چیزوں

سے ان کو بچائے رکھا جن کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے تاکید کی، تب وہ
 اعمال آپ کے لئے فائدے مند ہوں گے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگرچہ
 ہمارا ایمان ہے کہ: بقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ: کہ اچھائی اور
 برائی کی قدرت جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور جو ہماری
 بد اعمال کی بربادی ہوئی ہوتی ہے یا جو ہماری کھیتیاں اُجڑ جاتی ہیں جو
 ہمیں سزائیں ملتی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ لیکن اس کو
 کسی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرف منسوب کرنا وہ گناہ نہیں ہے۔ اس لئے
 کہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہاں یہ فرمایا کہ کھیتی میں اجاڑتا ہوں ایک آگ بگولا
 آتا ہے اس کھیتی کو اُجاڑ کے چلا جاتا ہے تو جو چیزیں اللہ کے امر سے
 ہوتی ہیں۔ اس امر کو مجازی طور پر کرنے والا کوئی اللہ کی مخلوق ہوتی ہے
 کرنے والی۔ اس لئے کہ یہاں یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ آگ کا
 بگولا جو ہے، جو آگ کی طرح سے گرم ہوتا ہے وہ آگ اس باغ کو برباد
 کر دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ہی عامل حقیقی ہے، فاعل حقیقی ہے۔ لیکن بربادی
 کی وجہ اس کی کوئی مخلوق بھی ہو سکتی ہے۔ چوتھا اصول یہ ہوا کہ دیکھیں اس
 میں پہلی آیت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو ہدایت دیتا ہے۔ دوسری
 آیت میں ہے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے برباد کر لیتے ہیں، اس سے
 اصول یہ ہوا کہ جتنی اچھائیاں ہیں اس کو اللہ کی طرف منسوب کرو۔ اور
 جو برائیاں ہیں وہ اپنی ذات کی طرف منسوب کرو۔ تاکہ تمہیں توبہ کی تحریک

پیدا ہو۔ استغفار کی تحریک پیدا ہو۔

پانچواں اصول یہ ہوا کہ کام بنانا تو بڑا مشکل ہے پہاڑی کو کھودو برابر کرو اور اس کو پانی پہنچاؤ اس میں کھاؤ ڈالو نہریں کھودو پھر باغ لگتا ہے، لیکن برباد کرنا وہ بہت ہی آسان کام ہے بگاڑنا بہت آسان ہے ایک ہوا چلی سب کچھ برباد ہو گیا۔ ایک سیلاب آیا سب کچھ برباد ہو گیا۔ تو اس وجہ سے بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کہ جن نیک اعمال کو ہم نے اپنی مشقتوں سے کیا ہے، مجاہدوں سے کیا ہے۔ وہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری غفلت کی وجہ سے آناً فاناً تباہ و برباد ہو جائیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اپنے دین کو خالص کرو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بُرے کاموں سے بچو ان چیزوں سے، نواہی سے بچو اور اوامر کی پابندی کرو۔ تب جا کے دین خالص رہے گا۔ شیطان کچھ لوگوں کا دشمن ہے اور کچھ کا دوست ہے تو یہ جاننا چاہیے کہ کن کا دشمن ہے۔ ایسے لوگوں کو اس سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ آپ اچھا کام کرتے ہیں روزے نماز پڑھتے ہیں، خیرات کرتے ہیں، تہجد پڑھتے ہیں تو اطمینان ہو جائے آپ کو کہ اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ نہیں! آپ کا دشمن ہے اس نے مہلت مانگی تھی اللہ تعالیٰ سے کہ ہمیں قیامت کے دن تک مہلت دی جائے تو شیطان جو ہے کوئی پندرہ طرح کے لوگوں کا دشمن ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ نبی کا دشمن ہے۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کو بھی بہکانے کی کوشش کی۔ حضرت اسماعیل کو بھی بہکانے کی کوشش
 کی، وہ قربانی کے لئے جا رہے تھے۔ اور اس لئے کہ سب سے پہلے نبی
 حضرت آدم علیہ السلام کا دشمن رہا ہے، اتباع تو وہاں سے شروع ہوئی جب
 حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ تو اس نے کہہ دیا کہ یہ تو مجھ سے کمتر ہے،
 میں کیوں اس کو سجدہ کروں۔ جب اس کو راندہ درگاہ کیا تو اس نے دشمنی
 ہمیشہ کے لئے اختیار کر لی۔ دوسرا: وہ دشمن ہے (عادل) کا، عدل کرنیوالا
 بادشاہ، اس کا دشمن ہے اس کو طرح طرح کی بُرائی پر لگانے کی کوشش
 کرتا ہے۔ تیسرا: جو عاجز غنی ہو۔ جس کو اللہ نے دولت دی ہو اور وہ
 اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتا ہو، لیکن ساتھ ساتھ اس میں عاجزی بھی ہو۔
 اس سے دشمنی کرتا ہے۔ چوتھا: سچا تاجر۔ کیونکہ وہ تجارت میں جھوٹ سے
 مال نہیں بناتا۔ وہ سچ پر اور سچی پر قائم رہتا ہے، اور پانچواں: عاجز عالم
 ہم نے اکثر دیکھا ہے آج کے زمانے میں کہ اکثر علماء جو ہیں خاص طور پر
 مسجد کے ان میں تکبر آجاتا ہے اور اپنے لوگوں سے سختیاں کرتے ہیں،
 بدسلوکیاں کرتے ہیں۔ چھٹا جو ہے خیر خواہ مومن ایک ایسا مومن جو اپنے
 مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی کرے۔ شیطان اس کا دشمن بن جاتا ہے۔
اور ساتواں: رقیق قلب مومن جس کے دل میں گداز پیدا ہو جائے، اللہ
 اور اس کے حبیب ﷺ کے ذکر سے اس کے قلب میں رقت پیدا

ہو جائے ایسے لوگوں کا وہ دشمن ہے۔ اٹھواں : جو ہے توبہ کرنے والوں
 کا، تو ابین کا، تائب لوگوں کا۔ خطا ہو گئی تو انہوں نے اس پر اللہ تعالیٰ سے
 شرمندگی کا اظہار کیا اس کی طرف پلٹنے کی کوشش کی تو وہ ایسے لوگوں
 کا بھی دشمن ہے۔ نواں : جو ہے وہ تقویٰ کرنے والوں کا پرہیزگاروں کا
 دشمن ہے۔ دسواں : ان کا بھی دشمن ہے جو ہمیشہ با وضو رہتے ہیں۔ اور
گیارہواں : مردِ سخی سے، شیطان دشمنی کرتا ہے، اللہ نے آپ کو دولت
 دی ہے، اور آپ سخاوت کرتے ہیں جو کچھ دیا اس میں سخاوت سے دیتے
 ہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے ۱۹۷۰ء میں جب میں اقوام متحدہ میں
 کام کرتا تھا، تو وہاں پہلی دفعہ ہم لوگوں نے تراویح کا بندوبست کیا، اس
 زمانے میں اسلامک سینٹر نہیں تھا۔ اب تو ایک ایک شہر میں بیس بیس
 مسجدیں ہو گئی ہیں، امریکہ میں، اس زمانے میں نیویارک جیسے شہر میں بھی
 کوئی مسجد نہیں تھی، تو وہاں پر ہم لوگوں نے ایک فلیٹ لیا اور اس کو مسجد
 بنائی۔ تو ایک نو مسلم کالا، وہ آتا تھا، تو ہم لوگ تو مغرب کے بعد افطار کر کے
 آتے تھے، وہ شام ہی کو آجاتا تھا۔ اور وہ ساری مسجد کی اتنی محنت سے
 اور اتنی محبت سے صفائی کرتا تھا تو میں نے اس سے کہا کہ آپ بڑی محنت
 کرتے ہیں، اس نے کہا کہ میں بہت ہی غریب انسان ہوں، میں کس طرح
 اپنے رب کو راضی کروں، آپ لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے وسائل دیئے

ہوئے ہیں، تو مجھے اس نے صحت دی ہوئی ہے تو میں آکر کے اپنے ہاتھوں
 سے اس مسجد کی خدمت کرتا ہوں محنت کرتا ہوں تاکہ میرا بھی کچھ حصہ اس
 مسجد میں آجائے، میں پیسے نہیں دے سکتا، لیکن میں اپنی محنت تو دے
 سکتا ہوں مسجد کے لئے۔ تو یہ لوگ وہ ہیں جو سخی ہیں۔ بار ہواں : جس سے
 دشمنی ہے وہ مردِ خلیق سے ہے۔ وہ لوگ جن کا اخلاق اچھا ہے۔ اور
تیر ہواں : دشمن مردِ نافع۔ جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ وہ اشخاص جو
 دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں، دوسروں کی بھلائی سوچتے ہیں۔ اور پود ہواں
 جو ہے ہمیشہ تلاوت کرنے والا۔ پابندی سے کلام پاک کی تلاوت کر نیوالا،
 اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے۔ تو تلاوت کرنے والے سے
 بھی دشمنی کرتا ہے۔ اس کو بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو نقصان
 پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور پندر ہواں : دشمن اسکا ہے جو تہجد گزار
 ہے۔ اس پر بہت کوشش کرتا ہے کہ اس کو کسی طریقے سے نیند آجائے،
 تھکن ہو جائے کسی طریقے سے اس کے دل میں اس کی عبادت کا غرور تکبر
 دماغ میں ڈال دیں کوئی ترکیب کرے گا کہ وہ دشمن ہو جائے۔

جس طرح سے اس کے، اس پندرہ اقسام کے اللہ کے بندوں کو
 وہ دشمن رکھتا ہے اسی طرح وہ کچھ لوگوں کو دوست بھی رکھتا ہے۔ تو جس
 طریقے سے پہلا دشمنوں میں عادل بادشاہ ہے، اسی طریقے سے ظالم بادشاہ
 جو ہے اس کا دوست ہے اور متکبر دولت ہے اور اس کو تکبر آگیا، ایسے

لوگوں کو جو غنی ہوں اس کی غنما کے ساتھ تکبر بھی کرتے ہوں، ایسے لوگوں کو وہ دوست رکھتا ہے۔ تیسرا: بددیانت تاجر، وہ جو بددیانتی کرتے ہیں وہ شیطان کے دوست ہیں۔ چوتھا: شرابی۔ شراب کی حالت میں، انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو بھول جاتا ہے۔ پانچواں: چغل خور، غیبت کرنے والا۔ اس لئے کہ اللہ نے سختی سے منع کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ تو مرنے ہوئے بھائی کے گوشت کھانے کے جیسا ہے۔ تو ایسے لوگوں سے بڑی دوستی کرتا ہے۔ ان کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور چھٹا: جو ہے، ریاکار، سود خور۔ اور ساتواں: یتیم کے مال کو کھانے والا اس لئے کہ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اور آٹھواں: زکوٰۃ نہ دینے والا۔ اللہ نے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے، اور جو کوئی زکوٰۃ نہیں دیتا تو اس سے وہ بڑا خوش ہوتا ہے۔ اور نواں: جو ہے وہ لمبی امیدیں رکھنے والا۔

حضرت ابو زر غفاری رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اسی آیت کے حوالے سے کہ اپنی کشتی کی مرمت کرتے رہو۔ یہ نہ ہو کہ اس میں پانی آجائے، پھید ہو جائیں اور وہ غرق ہو جائے۔ کیوں؟ کہ غفلت کی وجہ سے اچھے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، تو اپنی کشتی کی مرمت کرتے رہو اور زیادہ توشہ لو کہ مسافت لمبی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جانا ہے۔ لہذا زیادہ سے زیادہ اچھے اعمال اپنے ساتھ رکھو۔ اور بوجھ ہلکا رکھو، ان چیزوں کا جو حساب آپ کو دینا ہے۔ جو کم سے کم اپنے کاندھوں پر رکھو۔ کہ راستہ خطرناک ہے۔ اور عمل

کواریا سے پاک رکھو، اس لئے کہ اللہ نے فرمایا کہ ریاکاروں کی طرح مت ہو جاؤ۔ اس سے کام برباد ہو جاتے ہیں۔ اور کیوں؟ اس کی کیا حکمت ہے؟ عمل کواریا سے اس لئے پاک کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ وہ جو کچھ آپ باتیں کرتے ہیں دل میں بھی وہ بھی وہ سنا ہے۔ جو کچھ آپ کرتے ہیں اگر دکھاوے کے لئے تو دنیا کو زپتہ لگے لیکن اللہ تعالیٰ کو تو ضرور پتہ لگ جائے گا، اس لئے کہ وہ سمیع و بصیر دونوں ہے۔

يا ايها الذين امنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم: اے صاحبانِ ایمان! اللہ تعالیٰ پیار سے مسلمانوں کو صاحبانِ ایمان فرما رہا ہے۔ تم تو میرے اپنے ہو تو تم غلط کام نہ کرو: انفقوا من طيبات ما كسبتم: تم نے جو کچھ کمایا ہے اس میں سے جو اچھا مال ہے، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ عرب میں پہلے رواج یہ تھا کہ جو فصل ہوتی تھی اس میں اچھے اچھے خرے ایک طرف کر لیتے تھے اور خراب ردی الگ کر لیتے تھے۔ اور کوئی مانگنے والا آتا تھا تو خراب والے مال میں سے دے دیتے تھے۔ تو اس کی تردید کے لئے اس رواج کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کریمی سے یہ آیت اتاری۔ یعنی جو کچھ تم نے کمایا ہے، اس میں سے اچھا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو: وما اخرجنا لكم من الارض: اور جو کچھ بھی زمین میں پیدا ہوتا اس سب پر زکوٰۃ، ان سب میں سے خرچ کرو۔ جو کچھ تم کھاتے ہو اس سب میں سے۔ اگر آپ نے درخت لگایا ہے، پھل پیدا

ہوتے ہی ساتھ ساتھ سبزیاں بھی لگادی ہیں تو آپ سبزیوں میں سے
بھی خیرات دیں اللہ کی راہ میں غریبوں کو اور پھل میں سے بھی دیں۔

ولا تيمموا الخبيث : جب ہم یہ ارادہ کرتے ہیں کہ مٹی
سے اپنے کو پاک کریں گے تو اس کو ہم کہتے ہیں ”تیمم“ تو تم اسے بناہے،
یعنی قصد کرنا یا ارادہ کرنا : ولا تيمموا : اور تم مت ارادہ رکھو قصد کرو۔
الخبيث منه تنفقون : خراب چیزوں کا قصد نہ کرو، اس میں سے جو
کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے یہ نہ ہو کہ سڑے ہوئے پھل خیرات کرو۔ گندے
اور ردی پھل خیرات کرو۔ پھر اسکو تم خرچ کرو۔ : باخذيده : خذ، کہتے
ہیں پکڑنے کو۔ ایسے چیزوں کو مت تم خیرات کرو، جن کو تم خود اپنے لئے
نہیں رکھ سکتے۔ اپنے لئے نہیں پسند کرتے ہو۔ تو یہ کہ گندی چیزیں، گھٹیا
چیزیں جن کو تم اپنے لئے نہیں پسند کرتے ہو، اس کو اللہ کی راہ میں خرچ
نہیں کرو، بلکہ اچھے مال کو خرچ کرو۔ ہاں کوئی تم کو غلط مال دے رہا ہو تو
تم اس کی چشم پوشی کر سکتے ہو، جیسے آپ نے نہیں دیکھا ہو۔ اس کا نوٹس
نہیں لیا کہ اس نے خراب مال دے دیا ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں نیکی ہے۔
یہ سخاوت ہے۔ اس حد تک تو اجازت ہے کہ خراب مال اگر کسی سے کچھ
لینا ہے اور اس نے سارا اچھا نہیں دیا کچھ خراب دیا ہے تو پھر تمہاری
مرضی ہے کہ تم ان سے اچھا مال طلب کرو یا اللہ کو خوش کرنے کے لئے
ان سے چشم پوشی کر لو اور ان کو تنگ نہ کرو۔ : واعلموا ان الله غني

حمیداً ۵ : تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔

اعمال جو ہیں وہ قبول کر لئے جاتے ہیں، اکل حلال ہو اچھا رزق ہو اور یہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے لئے قابل قبول ہے، یہ آیت نازل ہوتی تھی اس وقت، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ کچھ لوگ زکوٰۃ کے لئے خراب مال الگ کر لیتے تھے۔ اسی لئے قربانی جب کریں آپ جو طریقہ میں اپنے گھر میں اپناتا ہوں کہ یہ نہیں کہ اچھا گوشت الگ نکال کے رکھ لیا بلکہ ہر طرح کے گوشت کے تین حصے کئے اور پھر اس میں سے ایک جو ہے اعزہ، اقربا، دوست احباب کے لئے اور غرباء کے لئے اور ایک اپنے لئے، یہ نہیں کہ جتنا سارا اچھا گوشت وہ اپنے لئے لے لیا اور ہڈیاں اور پسلیاں ان کے لئے چھوڑ دیا۔ تو بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ جو خراب خوشے ہوتے تھے کھجوروں کے وہ آکر کے صفحہ کے سامنے رکھوا دیتے تھے کہ جب اصحاب صفحہ اپنی عبادت سے فارغ ہوں گے تو اس سے گزارہ کر لیں گے۔ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا، ایک دفعہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اُتروادیا، وہاں سے کہ اسکو پھینک دو۔ کیا وہ لوگ جو خراب مال اللہ کی راہ میں دیتے ہیں۔ وہ خراب مال کی خیرات کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مال ناقص مال خراب مال خیرات کریں گے اللہ کی راہ میں تو ثواب بھی ان کو ناقص ہی ملے گا۔ تو طبیعات کہتے ہیں کھرے مال کو، کھرے مال سے، اکل حلال سے کریں۔

یہ جو آیت کا ایک حصہ ہے : وَمَا اخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ؛

اس کی تفسیر حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسند ابو حنیفہ میں یہ فرمایا کہ زمین میں جو کچھ بھی پیدا ہوتا ہے ہر ایک پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس کے کچھ اصول مرتب ہوتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اکل حلال بہت ضروری ہے۔ حلال مال کمانا اور حلال مال کھانا بہت ضروری ہے کہ اگر آپ حلال مال کمائیں گے۔ حلال طریقے سے اور اس کو خرچ کریں گے تبھی اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ قابل قبول ہوگا۔ خاص کر طریقت والوں کے لئے بہت ضروری ہے۔ اکل حلال اور صدق مقال۔ حلال کھانا اور سچ بولنا۔ دوسرا یہ ہے کہ ہر تجارتی مال پر زکوٰۃ فرض ہے۔ باغ میں جو کچھ پیدا ہوا اور آپ اس کو بیچ رہے ہیں، اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر کرائے کی زمین لی ہوئی ہے لیز پر تو پھر زکوٰۃ اون پر نہیں ہے۔ بیج ڈال کر کاشت کرنے والے پر زکوٰۃ واجب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں آیت کا ایک حصہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جو حق دار ہے وہ اپنے حق کے معاملے میں چشم پوشی کر سکتا ہے۔ چھٹا اصول یہ ہوا کہ ردی مال کی زکوٰۃ ادا تو ہو جاتی ہے مگر ثواب کم ہو جاتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ناقص مال اگر دیں گے تو ناقص ثواب ملے گا، اس حدیث سے یہ بات واضح ہوئی۔ ساتواں یہ ہے کہ حرام پیشہ اختیار کرنا بھی حرام ہے شراب بیچنا اور پینا دونوں حرام ہیں۔ آٹھواں یہ ہے کہ ہر قسم کے مال سے جو کچھ آپ

نے کمایا ہے، اس میں سے خیرات کرنی چاہیے۔ جس کے پاس جیسا مال ہو ویسا ہی وہ خرچ کرے۔ اگر کسی کی فصل ہی خراب ہو گئی۔ کس کے پھل میں کیڑے لگ گئے، تو وہ اس میں سے زکوٰۃ دے گا، یہ نہیں کہ بازار سے اچھا خرید کر وہ دے۔ لیکن یہ کہ اچھا پیدا ہوا اور خراب مال، آپ اس میں سے پھانت لیں۔ اور خراب آپ کو دے دیں۔ جیسا مال پیدا ہوا، ویسے ہی ہر ایک کو، دوسروں کو دیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا فضل و کرم فرمائے اور ہمیں صحیح اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے ان اعمال کی اپنی آئندہ کمی کیوں سے حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ۰



پَارَةٌ تِلْكَ الرُّسُلِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آیات نمبر ۲۶۸ تا ۲۶۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

الشَّيْطٰنُ يَعِدُّكُمْ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ
بِالْفَحْشَآءِ ۗ وَاللّٰهُ يَعِدُّكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ
وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاَسِعَ عَلَیْمٌ ﴿۲۶۸﴾ یُوْتِی
الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ۗ وَمَنْ یُّوْتِ الْحِكْمَةَ
فَقَدْ اُوْتِیْ خَیْرًا كَثِیْرًا ۗ وَمَا یَذْكُرُ اِلَّا
اُولُو الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

شیطان تمہیں اندیشہ دلانا۔ محتاجی کا اور حکم دیتا ہے ،
بے حیائی کا ، اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش اور
فضل کا ، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے ﴿۲۶۸﴾ اللہ

حکمت دیتا ہے جسے چاہے۔ اور جسے حکمت ملی، اسے

بہت بھلائی ملی اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے (۲۶۹)

(کیسٹ خراب ہے آواز بالکل سمجھ نہیں آرہی ہے)

سخاوت سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ اس میں مسلسل اضافہ ہوتا

ہے۔ اس کی مثال ہے جب غصہ آئے تو فوراً سمجھ لیں کہ یہ شیطان کا کام

ہے، فوراً یہ پڑھ لیں۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ.....

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ انسان سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں تو

انہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ لینی چاہیے۔

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیْمِ - بِسْمِ اللّٰهِ وَتَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا

بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ یہ آپ پڑھ لیں تو انشاء اللہ شیطان سے

نجات مل جائے گی۔

(اے سائیڈ کی آواز بالکل آگے سمجھ میں نہیں آرہی ہے)



يَا رَاةَ تِلْكَ الرُّسُلِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ
آيَاتِ نَهِيرِ ٢٤٠ - تَا - ٢٤١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِیْبِ اللّٰهِ

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ
نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهُ ۝ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ
مِنْ اَنْصَارٍ ۝ اِنْ تَبَدُّوا الصّدٰقٰتِ
فَنِعْمًا هِیَ ۝ وَاِنْ تَخْفَوْهَا وَتُوْتُوْهَا
الْفُقَرَاءَ فَهٰوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۝ وَیَكْفُرْ عَنْكُمْ
مِّنْ سَیِّئٰتِكُمْ ۝ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِیْرٌ ۝

اور تم جو خرچ کرو یا منت مالو اللہ کو اس کی خبر ہے۔
اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ ۝ اگر خیرات اعلانیہ

دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو
 دو یہ تو تمہارے لئے سب سے بہتر ہے اور اس میں
 تمہارے کچھ گناہ گھٹیں گے، اور اللہ کو تمہارے کاموں
 کی خبر ہے۔ (۲۷۱)

آج میں نے ۲۷۰، اور ۲۷۱ آیات کی تلاوت کی ہے اس میں
 ۲۶۸، اور ۲۶۹ کی تفسیر پچھلی محفل میں بیان کی تھیں۔ آج ۲۷۰ اور ۲۷۱
 کی آیات کی تفسیر بیان کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے پہلی دو آیات میں یہ بتایا تھا کہ شیطان تمہیں تنگی
 اور غربت کا دوسوہ ڈالتا ہے۔ کہ اگر تم خیرات کرو گے، اللہ کی راہ میں خرچ
 کرو گے تو تم غریب ہو جاؤ گے تمہارے بُرے وقت میں پیسہ کہاں سے
 آئے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہمیشہ مومنین کی مدد فرماتا ہے۔ اور وہ وعدہ کرتا ہے
 مغفرت کا اور اپنے فضل و کرم کا ان لوگوں کے لئے جو اللہ پر ایمان رکھتے
 ہیں اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ کسائش والا
 بھی ہے۔ اور ہر چیز کا علم جانتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے وہ حکمت عطا
 فرماتا ہے جس کی وجہ سے وہ خیر و شر میں تمیز کرتے ہیں اور بے شک جن کو
 اللہ نے علم و حکمت عطا کر دی ہے ان کو خیر کثیر عطا فرمایا ہے۔ انبیاء علیہم السلام
 اور اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جو علم و حکمت مومنین کو سکھاتے ہیں،

در اصل وہ خیر کثیر کی تقسیم کرتے ہیں۔ اور اللہ کی طرف سے جو بھی اس کی نصیحتیں مقدس کتاب قرآن کریم میں ہیں یہ ان کے لئے ہیں جو صاحبانِ عقل و فہم ہیں۔

ابھی تک تو فرضی اور نفعی صدقات و خیرات اور زکوٰۃ کا ذکر تھا۔ اب یہ بالکل نئی قسم کا صدقہ و خیرات ہے۔ اس کا ذکر آ رہا ہے۔ یہ وہ نیکیاں ہیں جو انسان اپنے اوپر خود لازم کر لیتا ہے۔ کسی عمل سے کسی واقع سے مشروط کر لیتا ہے جیسے عام زبان میں کہتے ہیں۔ نذر ماننا یا منت ماننا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا انفقتم من نفقة..... یعلمہ: نفاق کہتے ہیں خرچ کرنے کو اس میں ہر طرح کا خرچ ہے چاہے وہ فرضی ہو یا نفعی ہو یا خود اختیاری ہو۔ چاہے وہ ریا کاری کے لئے ہو یا اخلاص کے ساتھ ہو چاہے حلال مال کا ہو۔ چاہے وہ دنیاوی کاموں کے لئے ہو یا دین کے کام کے لئے ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو کچھ تم خرچ کرتے ہو یا خیرات دیتے ہو: اوندرتم من نذر: اور نذر جو ہے وہ تنذیر سے ڈرنا اور خوف کے تحت جو تم خرچ کرتے ہو اصطلاحی معنوں میں یہ ہے کہ منت مان کر جو تم خرچ کرتے ہو منت کے پس منظر میں بھی کوئی نہ کوئی خوف کوئی احساس ہونا ہے کہ شاید یہ ہمارا کام نہ ہو۔ تو پھر ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ اے رب تو میرا یہ کام کر دے میں تیری نفعی عبادت کروں گا یہ صدقہ کروں گا یہ خیرات دوں گا۔

کسی بزرگ سے کہہ دیا دعا فرمائیں میرا یہ کام ہوگا تو میں آپ کو یہ نذرانہ دوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو وہ خیراتِ زکوٰۃ کے طور پر یا منت جو تم نے مانی ہوتی ہے اس سلسلے میں جو خرچ کرتے ہو: فان الله يعلمه: اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں شیطان بہکا دے۔ تمہارا کام ہو گیا اب صدقہ خیرات کیا کرنا۔ کہ تم نے منت مانی میرا یہ کام ہو جائے گا۔ میرا بچہ صحت مند ہو جائے گا تو میں صدقہ دوں گا، فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا۔ یا یتیموں کی مدد کروں گا۔ جب وہ صحت مند ہو گیا تو وہ بھول گئے۔

تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ تم خرچ کرتے ہو وہ بھی جانتا ہے کس نیت سے خرچ کر رہے ہو تم حلال مال سے خرچ کر رہے ہو حرام سے خرچ کر رہے ہو یا صدقہ و اخلاص کے ساتھ خرچ کر رہے ہو۔ تم اعلانیہ خرچ کر رہے ہو یا خفی طور پر خرچ کر رہے ہو۔ تم نے خرچ کرنے کی نیت کی اور منت مانی اور نہیں خرچ کر رہے ہو، ہر صورت حال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ اس وجہ سے تم پہ نہ سمجھو کہ اگر تم پر واجب ہے خرچ کرنا، چاہے مذہبی واجب ہو یا تم نے واجب کر لیا ہو اپنے طریقے سے یا منت مان کے تو وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو بھی دیکھ رہا ہے، اس کے اخلاص کو بھی دیکھ رہا ہے اور اس کے حرام اور حلال کو بھی دیکھ رہا ہے: وما للظالمین من انصارہ: آپ کا

تو اللہ تعالیٰ مددگار ہے آپ مومن ہیں اور آپ کو ہدایت بھی دیتا ہے، جب شیطان بہکاتا ہے تو وہ اپنی پناہ میں بھی لے لیتا ہے۔ آپ کی مغفرت بھی کر دیتا ہے جیسا کہ اُس نے وعدہ کیا ہے آپ کو عقل و فہم بھی دے دیتا ہے اچھے بُرے کی تمیز کے لئے۔ آپ کا تو اللہ تعالیٰ ہر طریقے سے مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پورے کلام پاک میں کہیں بھی مومن کے لئے نہیں فرمایا کہ ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ صرف کافروں کے لئے: للظالمین: تو ظلم جو ہے وہ ظلمت سے بھی ہے مطلب کہ اندھیرا تاریکی یا کسی چیز کا ڈھانک لینا، تو گناہ کیا ہوتے ہیں انسان کو ڈھانک لیتے ہیں احاطہ کر لیتے ہیں۔ عام معنی ہیں اسے کفر کا مطلب بھی یہی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کفار کا اپنی جانوں اپنی روح پر ظلم کرنے والے، روح کو آلودہ کرنے والے، کیلئے کوئی ان کا مددگار نہیں ہے۔ ان کے صدقات، خیرات اور اچھے اعمال کی کوئی جزا اللہ کی بارگاہ میں نہیں ملے گی۔

بچوں؟ اس لئے کہ تمام اعمال کی قبولیت کے لئے جو شرط لازمی ہے وہ ایمان ہے، اگر ایمان ہے تو اعمال کی قبولیت ہے، اگر ایمان نہیں ہے تو کوئی اعمال اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے۔ باغیوں سے کوئی تحفہ نہیں لیتا۔ وفاداروں سے تحفہ لیتا ہے۔ دشمنوں سے لین دین نہیں ہوتا۔ کفار کیا ہیں، اللہ کے دشمن ہیں۔ اس کے باغی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی کوئی چیز قبول نہیں کرتا۔ جو معتزضین ہیں آریہ سماج والے

یا کھریں تو نحوذباللہ کہتے ہیں کہ آپ کے رب تو بہت ہی زیادتی کرتے ہیں، کفار کے نیک اعمال کا کوئی صلہ نہیں دیتے۔ اللہ فرماتا ہے کہ، چونکہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، یوم قیامت یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتے اللہ کی حاکمیت پر ایمان نہیں رکھتے۔ لہذا آخرت میں ان کیلئے کچھ نہیں ہے۔ نیک کام کریں گے ان کو دنیا ہی میں کھانے پینے کو دیا جائیگا دنیا ہی میں اس کا اجر ان کو مل جائے گا۔ چونکہ ان کے ایمان کا دائرہ صرف دنیا تک محدود ہے، اس لئے ان کے اعمال کی جزا بھی صرف اس دنیا میں ہے آخرت میں نہیں ہے۔

تو ایک اور مسئلہ ہے کہ یہ خیرات و زکوٰۃ اعلانیہ دی جائے یا چھپا کے دی جائے۔ جو کھپلی آیت میں : فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ : اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! آپ پر ہمارے مال باپ قربان ہماری جانیں قربان۔ جب اللہ تعالیٰ جانے لیتا ہے کہ کس نے صدقہ و خیرات کیا تو کیوں نہ سارے صدقات چھپا کر دیئے جائیں۔ تو اس وقت اس کے جواب میں اگلی آیت : ان تبدوا الصدقات کسی موجود چیز کا ظاہر ہو جانا۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ہے "بدین" وہ لاموجود سے چیزوں کو موجود کر دیتا ہے۔ وہ بغیر کسی مثال کے خود سے نئی چیزیں بنا لیتا ہے۔ آسمان زمین، تھہ ہی نہیں۔ چاند ستارے، کہکشائیں، کائناتیں اس نے خود بنائے

ہیں۔ اس کی کوئی مثال نہیں ہے، اس کی جتنی تخلیقات ہیں، اس نے
 کسی کو دیکھ کر کوئی چیز نہیں بنائی۔ اس کی شان یہ ہے کہ لا موجود کو وہ موجود
 کر دیتا ہے۔ تو اس کا مطلب ہے ظاہر کرنا: ان تبدوا الصدقات: اگر تم
 اپنے صدقات کو خیرات کو ظاہر کرو: فنعما ہی: تو یہ بھی بہتر ہے۔ اللہ
 نے آپ کو اجازت دے دی ہے۔ اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں جو نیکی کے
 کام دکھا کر کئے جائیں، یہ تبلیغ کا عنصر ہوتا ہے، جیسے ذکرِ خفی بھی ہو سکتا
 ہے، لیکن ذکرِ خلی اور ذکرِ جہر سب سے، اس میں حکمت تبلیغ کی ہے کہ سب
 کے سامنے مل کے کرتے ہیں، دوسروں کی ہمت بھی ہوتی ہے۔ دوسرے
 لوگوں کو رغبت ہوتی ہے لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں، یہ ذاکر ہیں،
 اللہ کے یہ نیک بندے ہیں ہم بھی نیک بننے کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ
 نے اس بات کی اجازت دی ہے۔ اپنے صدقات اور خیرات کو ظاہر
 کر کے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم اپنے صدقات کو ظاہر کر دو :
 فنعما ہی: پس وہ بھی اچھی بات ہے: وان تخفوها: اور اس کو
 چھپایا تم نے: وتوتوها الفقراء فهو خیر لکم: اور خاموشی
 سے پوشیدہ کر کے تم نے دیا فقراء کو اس پر شرط لگا دی۔ اگر جہاد کے لئے
 یا کار خیر کے لئے اجتماعی فلاح کے لئے صدقہ جاریہ کے لئے، مسجد کے
 لئے آپ کریں تو آپ کھلے عام دے سکتے ہیں اس لئے کہ اس میں تبلیغ

کا ایک پہلو پوشیدہ ہے، لیکن اگر خاموشی سے چاہتے ہیں تو اس میں یہ شرط پوری کریں کہ کسی غنی کو نہ دیں، بلکہ وہ کسی فقیر کو دیں۔ ظاہر دینے میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو پتہ لگ جاتا ہے کہ بتا سکتے ہیں کہ یہ تو غنی ہے یہ تو محتاج نہیں ہے یہ آپ کس کو دے رہے ہیں۔ یہ تو غریبوں کا حق ہے آپ امیروں کو دے رہے ہیں۔ تو اس کی حکمت یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ جو اب صحابہ کرام کو ہے، کہ اگر آپ خاموشی سے اس طریقے سے دینا چاہتے ہیں کسی کو خبر نہ ہو تو اور وہ آپ صرف فقراء کو دے رہے ہیں۔ وہ بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تو صدقات و خیرات کو پوشیدہ رکھ کر کے دینا بشرطیکہ وہ فقراء اور مساکین کے لئے ہے مستحق لوگوں کے لئے ہو۔ اس کی بڑی بھلائی اور درجات ہیں۔ اور اس کا ایک انعام بھی ہے: **وَيَكْفُرْ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ**: کفر کا مطلب ہے ڈھانکنا اور یہاں اس کا مطلب دھو دینے کے بھی ہیں، اور تمہاری برائیاں دُھل جاتی ہیں، تمہاری صفائی ہو جاتی ہے تمہاری باطنی صفائی ہو جاتی ہے تم سے تمہاری برائیاں چھوٹ جاتی ہیں اللہ تعالیٰ یہ انعام دیتا ہے۔ اور یہ انعام اس لئے دیتا ہے کہ جب تم خاموشی سے پوشیدہ طریقے سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو۔

تو اس کی بھی خبر اللہ تعالیٰ کو ہوتی ہے: **وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ**: ان دو آیات کا تعلق جو ہے اسی مضمون سے ہے جس کا تذکرہ

آرہا ہے پہلے۔ کہ مقبول و مردود صدقات کا ذکر ہوا کہ اس مال میں سے
 نہ دو جس کو تم پسند نہیں کرتے ہو۔ اس مال میں سے نہ دو جیسے کہ کفار کیا
 کرتے تھے کہ سٹری ہوئی خراب کھجوریں جو ہیں وہ دے دیں اچھی خود رکھ
 لیں۔ اور اب اس کا انجام اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں
 قبول ہوتی ہیں اگر مومنین کی طرف سے ہوں اور کافر کی طرف سے ہوتی ہیں
 تو نہیں ہوتیں اور اس کا ایک انجام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی
 ہے۔ اور صدقات کی کچھ قسمیں ہیں یہ احکام سارے قسموں کے متعلق ہیں
 ایک تو واجبہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے واجب کر دی ہیں اور نفسی ہیں
 جیسے صدقات و خیرات۔ اور واجبہ کی بھی دو قسمیں ہیں؛ ایک جو اللہ کی
 طرف سے واجب کی گئی اور ایک آپ نے خود جو مفت کے ذریعے
 سے واجب کر لی۔ تو اللہ تعالیٰ اب ان آیات میں منت کے متعلق بھی
 ذکر فرماتا ہے۔ اور جیسا میں نے بتایا کہ: وما انفقتم من نفقة:
 اس میں تمام طرح کے اخراجات اس میں سمو جاتے ہیں چاہے وہ حرام
 و حلال ہوں قلیل و کثیر ہوں یا ریا یا اخلاص کے ساتھ ہوں یا حق ہوں یا
 باطل ہوں یا ظاہر ہوں یا باطن ہوں، ہر طرح کے تو نذر منت مانتے ہیں جو
 تو نذر کا اصلی مطلب تو ہے خوف۔

اس لئے سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: کہ یوم الدین! قیامت
 دن حاضر ہونے کا اور یوم الدین کا ڈر ہمیں دلاتے ہیں، کفار کو ڈراتے

ہیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے۔ تاکہ وہ ایمان کی طرف آئیں تو یہاں کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کر لینا اور انسان منت اس وقت مانتا ہے جب کہ اس کے دل میں باطنی طور پر کوئی خوف ہو کہ یہ ہو یا نہ ہو۔ تو پھر وہ اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ: یا اللہ تعالیٰ تو مجھ پر یہ کرم کر دے تو میں یہ کام کروں گا، زکوٰۃ خیرات وغیرہ ظالمین کا اللہ نے فرمایا: وما للظالمین من انصارہ: اس کا مطلب ہے ظلم اور اس کا مطلب ہے اندھیرا اس کا مطلب ہے، غیر محل چیزیں۔ نامناسب بات نامناسب عمل۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ کفار کے اچھے اعمال بھی قبول نہیں ہوتے۔ لہذا صدقات کی قبولیت کے لئے شرط ہے انسان کا مومن ہونا۔ ایسی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز مانع ہو اس کی قدرت سے باہر ہو، کہ کفار کو وہ اس کا اجر نہیں دے سکتا۔ اس کی طاقت تو لامحدود ہے، دراصل کفار میں اہلیت نہیں ہوتی اپنے قلب و روح کی غلاظت کی وجہ سے، اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے کفر کی وجہ سے یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ رب کریم کی طرف سے جو خیر آتی ہے اس کو وہ اپنے دامن میں لے لے۔ تو ان میں وہ صلاحیت قبولیت نہیں ہے کہ یہ صلاحیت نہیں کہ اللہ کی رحمت کو، کرم کو قبول کر لیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ نذر کی چار قسمیں ہیں۔ یہ آیت چونکہ نذر کے متعلق ہے، اس لئے اس کے مسئلے بھی صحابہ کرام

نے جمع کئے ہیں، تفسیر کی کتابوں میں۔ ایک تو نذرِ مبہم۔ کوئی آدمی یہ کہے کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں کچھ کر دوں گا، تو یہ نذرِ مبہم ہے۔ اس میں نذر کا نام ہی نہیں لیا اور ایک نذرِ معصیت ہے کہ فلاں بات ہو گئی تو میں کسی کو مار ڈالوں گا۔ گالی بک دوں گا، یا کوئی گناہ کر لوں گا۔ تو اس طرح کسی نذرِ معصیت ہے۔ اور ایک قسم کی نذر وہ ہے کہ اپنی طاقت سے باہر چیزوں کی نذر مانے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے شروع ہی سے منت ایسی مانی جس پر یہ عمل ہی نہیں کر سکتا۔ اور چوتھی مشروع عبادت کی نذر ہے کہ شریعت کے حساب سے جو عبادت ہے مثلاً صدقات ہیں، حج ہے، زکوٰۃ ہے خیرات ہے، نوافل ہیں ان کی نذر نذر کرنا۔ ان میں تو نذر ادا ہو جاتی ہے۔

لیکن پہلی تین قسمیں جو ہیں وہ سب میں چونکہ ہو نہیں سکتا، لہذا نذر مان لی ہے تو اس میں سے قسم کا کفارہ ہوتا ہے یہ بھی ایک طرح کی قسم ہی ہے جس طرح سے قسم کا کفارہ ہے اسی طرح سے نذر کا کفارہ جو ہے وہ واجب ہو جاتا ہے، دینا پڑتا ہے۔ نذر کے سلسلے میں کچھ اور بھی مسائل ہیں۔

پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ نذر پوری کرنا فرض ہے۔ بشرطیکہ یہ نذر اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ اور ایسی چیز کی نذر جو کہ واجب ہو۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، قربانی۔ وہ نذر جو کہ غیر واجب جو واجب نہیں ہیں

مثلاً یہ کہیں کہ مسجد میں چراغ جلائیں گے۔ یا جھاڑو دے دیں گے ،
ایسی منت کا پورا کرنا جو ہے وہ ضروری نہیں ہے اگر وہ رہ بھی جائے
اس لئے کہ وہ اللہ کے لئے نہیں ہے۔ اللہ کے لئے نماز، روزہ، حج،
زکوٰۃ یہ سب چیزیں ہیں۔ تو اس طرح کی منت کہ میں مسجد میں جھاڑو
دے دوں گا۔ مسجد میں چراغ جلا دوں گا۔ اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے
یہ شریعت کے حساب سے عبادات ہیں مشروع عبادات ہیں۔ اللہ تعالیٰ
نے نذر اور منت کو عبادت کا درجہ دیا ہے۔ اب جب صدقات و خیرات
کی باتیں ہو رہی ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے منت اور نذر
کی بات بھی بیان کر دی۔ تو نذر عبادت ہے ، اللہ تعالیٰ نے اسکو صدقات
کے ساتھ اس کا بیان کیا ہے۔ اولیاء کے نام کی نذر شرعی نہیں ہے کہ
اگر میرا یہ کام ہو جائے گا تو پیر صاحب میں آپ کو یہ نذرانہ دوں گا۔ تو یہ
وہ جو منت نہیں بنتی۔ یہ ایفائے عہد کے زمرے میں آتا ہے۔ ہاں اگر
اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر ہے کہ میں اتنا آپ کی راہ میں خرچ کر دوں گا۔ تو وہ
خالق ہوں میں جہاں درویش مسکین بھی ہوتے ہیں جہاں کار خیرتا ہے ،
یا درگاہ پہ خرچ کرنا جائز ہے۔ نذر جائز ہے۔ نذر کی اور بھی قسمیں ہیں۔
جیسے منت جو ہے وہ معلق کہ کسی کام کے ہونے پہ اس کا دار و مدار ،
اس کا انحصار ہو۔ جب تک وہ کام نہیں ہو گا وہ منت واجب نہیں
ہوگی۔ تو اسے کہتے ہیں نذر معلق۔ جو کسی شے پر موقوف ہو۔

اور نذرِ مطلق جو کسی چیز پر موقوف نہ ہو۔ جیسے آپ کہیں کہ اکل
 یا اللہ! میں بیس (۲۰) رکعت نماز پڑھوں گا نفل کی۔ یہ نذرِ مطلق ہے
 صرف وقت کے ساتھ مشروط ہے۔ اور تیسری نذرِ معین، کہ مقرر کر دیا۔
 کہ اتنے وقت، اتنے روپے ہمارے کام کرنے کے ساتھ۔ جو نذرِ شرعی
 ہے شریعت کے لحاظ سے جس میں کہ عمل جو ہے وہ شرعی ہے اس کی
 پانچ (۵) شرائط ہیں۔ پہلی یہ کہ حرام بعینہ کی نذر نہ ہو جو چیزیں حرام ہیں
 جو عمل یا مال حرام ہو اس کی نذر آپ نہیں کر سکتے۔ دوسری شرط یہ کہ وہ
 واجب کے جسم سے ہو۔ نماز، روزہ، صدقہ، خیرات، حج یہ سب۔ اور
 وہ بغیر نذر کے واجب نہ ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ آپ کی ملکیت سے
 زیادہ نہ ہو۔ اگر آپ نے اپنی ملکیت یا اپنی مالی صلاحیت سے زیادہ
 کی نذر مان لی۔ یعنی آپ نے کہہ دیا کہ فلاں میرا کام ہو گیا تو میں اس
 مکان کو دے دوں گا۔ یہ آپ کی ملکیت ہی نہیں تو یہ باطل ہو گئی۔ اور
 دوسری بات یہ کہ اگر آپ یہ کہیں کہ تم میرا یہ کام کر دو گی تو میں آسمان کے
 تارے توڑ کر لا دوں گا۔ یہ تو ناممکنات میں سے ہے۔ تو اس طرح کی
 سنت کرنا اور وعدے کرنا یہ غلط ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تو فرما دیا کہ
 اللہ تعالیٰ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے، ہر چیز کا حساب ہو گا۔ روزے داروں
 کے کھانے پینے کا حساب نہیں ہو گا۔ اپنے ماں باپ پر جو خرچ کریں گے
 یا اپنے معصوم بچوں کو ان کا کوئی حساب کتاب آپ کو نہیں دینا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو انعام کے طور پر اس کے حساب کتاب سے معافی دے دے گا۔

قیامت کے دن مشرکین کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ جو اگلی آیت ہے ”۲۷۱“۔ خفی و ظاہر و پوشیدہ کے متعلق۔ وہ ایک نئی جہت ہے صدقات و خیرات کے مسئلے کی پہلے حرام و حلال کی بات تھی، پھر اسکی حفاظت کی بات تھی کہ اپنے احسان جتا کر یا ایذا دے کر اس کو ضائع نہ کرو۔ عمل کرو تو اس کی حفاظت بھی کرو۔ یہ نہ ہو کہ وہ مرنے سے ہی ضائع ہو جائے کچھ ملے نہیں اور جیسے میں نے عرض کیا تھا کہ یہ پہلی آیت تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ ہمارے تمہارے انفاق کو تو اس وقت صحابہ کرام نے یہ پوچھا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو پھر ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی؛ لیکن بعض چیزیں ظاہر کرنا ضروری ہوتی ہیں، اس لئے کہ اس میں تبلیغ کا عنصر ہوتا ہے۔ مثلاً غزوہ تبوک میں جب اس کے لئے چندہ جمع کیا جا رہا تھا تو پہلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نو سو (۹۰۰) اونٹ، نو سو (۹۰۰) دینار دوں گا۔ پہلے اس کا اعلان کیا پھر لاکر کے صحابہ کرام کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا۔ یہ اس کا اظہار تھا۔ اور اس سے ایک اصول مرتب ہوا کہ جو قومی کاموں کے لئے چندہ ہے وہ اگر ظاہر کر کے دیا جائے تو بہتر ہے۔ دوسرے ظاہر کرنے میں ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ یہ پتہ لگتا ہے کہ آپ جائز کام

کے لئے کر رہے ہیں۔ جس کو مل رہا ہے وہ غنی ہے یا محتاج ہے یہ سب چیزیں پتہ لگ جاتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بتا دیا کہ خفیہ تم دو تو اس میں احتیاط کرو، فقراء کو، مستحق لوگوں کو ملنا چاہیے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر حکم دیا ہے کہ خاموشی سے دیں اور فقیروں کو دیں تو اس میں یہ بھلائی ہے۔

اس سے ایک اصول اور بنتا ہے کہ حج جو ہے وہ اعلان کر کے جانا چاہیے کہ میں اس سال انشاء اللہ حج کروں گا۔ اس سے یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی ترغیب ہوتی ہے۔ اور یہ سنت نبی کریم ﷺ ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے حج کا اعلان فرمایا اور اپنے ساتھ صحابہ کرام کو لے کر تشریف لے گئے اور آپ بعض کام تعلیم کیلئے بھی کرتے تھے۔ مثلاً آپ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف فرمایا اور سعی فرمائی، یہ اس لئے تھا کہ اگر کوئی اپنے پیروں پہ چل کر کے طواف اور سعی نہ کر سکے تو وہ سواری پر بھی کر سکتا ہے، یہ اپنی اُمت کی تعلیم کے لئے تھا۔ اور یہ سب کے سامنے آپ نے کیا۔

اس آیت سے کچھ اور اصول مرتب ہوتے ہیں۔ کہ نیت خیر کے ساتھ نیک ارادے سے کسی طرح کی بھی آپ خیرات کریں وہ معتبر ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ میں صدقات و واجبات جو ہیں، جیسے زکوٰۃ ہے روزہ اور حج یہ اعلانیہ کرنا احسن ہے، لیکن جو نفلی صدقات

ہیں اس کو چھپا کر دینا احسن ہے اور چنڈہ جو ہے وہ اعلانیہ دینا ہے، یہ صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔ ایک اصول یہ بھی بنا کہ نفلی صدقات میں بھی تبلیغ و ترغیب کے لئے وہ ظاہر کئے جاسکتے ہیں اور اس کی مثال ذکر بالجہر ہے۔ صدقات صرف فقراء کے لئے نہیں ہیں۔ بعض دفعہ آپ کہتے ہیں، مسافرن، مساکین و یتامیٰ ہو سکتا ہے کہ یتیم کی جائداد ہو لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے یتیموں کی مدد کرنے کے لئے کہا ہے اور اقربا ہیں اس میں لیکن صدقاتِ خفیہ جو ہیں وہ اعلانیہ سے بہتر ہیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **یکفر عنکم من سیاتکم: صدقات سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔** خطرات ٹل جاتے ہیں۔ اعلانیہ صدقات کرنیوالے ان کو بھی کبھی ریاکار نہیں کہنا چاہیے۔ اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بھی بہتر ہے ایک اس سے یہ مسئلہ ہوتا ہے جو آدمی غنی ہے جس کو پتہ ہے کہ یہ مالدار ہے اور یہ صدقات اور خیرات کرتا رہتا ہے۔ وہ اگر کھلے عام صدقات اور خیرات کرے تو اس کے لئے جائز ہے۔ اس لئے کہ اس کو لوگ جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس میں صلاحیت ہے۔

تو اگر کوئی شخص لوگوں میں نہیں جانا ہوا بہتر غنی کے ان کے غنا کا علم عام لوگوں کو نہیں ہے۔ ایسا شخص اگر خفیہ طور پر، پوشیدہ طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس کے لئے وہ بہتر ہے۔ اگر کوئی شخص خیرات و صدقہ لینے والا، کھلے عام بھیک مانگنے والا نہ ہو۔ مسکین

ہو مسافر ہو۔ یتیم ہو۔ تو ایسے لوگوں کو پوشیدہ طور پر ہی صدقات و خیرات دینا بہتر ہے، تاکہ ان کا بھرم نہ ٹوٹے۔ جو کھلے عام نہیں دست سوال اٹھاتے ایسے لوگوں کا بھرم رکھنا بہتر ہے۔ ان کو پوشیدہ طریقے سے دینا بہتر ہے۔

اب ایک شرعی مسئلہ ہے کہ چندہ ہمیشہ اعلانیہ دینا چاہیے یا نہیں؟ صدقات اگرچہ غریبوں کے لئے ہیں۔ لیکن کچھ صدقات ایسے ہیں جن سے غنی بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ اور وہ کون سا صدقہ ہے؟ وہ صدقہ جاریہ ہے۔ اگر کوئی شخص مسجد بنا دے تو آپ اپنی دولت کیساتھ اس مسجد میں جا کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اگر کوئی غنی کنواں کھدوا دے یا نہر کھدوا دے، تو آپ وہاں کا پانی پی سکتے ہیں۔ اگر کوئی تعلیمی ادارہ قائم کر دے۔ تو اس میں غنی بھی جا کر کے تعلیم حاصل کرتا ہے۔ تو صرف ایک قسم کا صدقہ ایسا ہے، صدقہ جاریہ جس کا استعمال غنی کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے جائز رکھا ہے۔ اموالِ ظاہری پر صدقات حکومت کو دینا چاہیے۔ یہ ہماری رعایت ہے اور جن لوگوں نے حکومت کو اموالِ ظاہری پر زکوٰۃ دینا بند کر دیا، ان پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کا جہاد کا اعلان فرمایا کرتے۔ جو واجبہ واجبات ہیں ان کو اعلانیہ کرنا چاہیے باجماعت ادا کرنا چاہیے جیسے نماز، جیسے عیدین کی نماز فرض بھی نہیں ہے واجب ہے لیکن وہ واجبات ہیں تو یہ اعلانیہ کرنا چاہیے اور نفلی عبادت کو خفیہ رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ تہجد کی

کی نماز۔

ایک فقیر آیا کرتے تھے بعد میں وہ بڑے لوگوں کے پیر بنے گئے ان کو بڑا شوق تھا کہ بڑے لوگ جنرل وغیرہ ان کے پاس آئیں، انہوں نے کہا کہ فقیری میں چوری کرنا اور حرام کھانا یہ فقیروں کا طریقہ ہے میں نے کہا اس کا کیا مطلب؟ انہوں نے کہا عبادات چوری چوری کر دے کسی کو پتہ نہ لگے۔ اور غصہ کھاؤ اس لئے کہ وہ حرام چیز ہے۔ تو فقیر جب اپنی زبان سے کہتا ہے کہ چوری کرو اور حرام کھاؤ اس کا مطلب ہے کہ خفیہ طور پر عبادت کرو اور غصے کو برداشت کرو یعنی نفس کو اپنے قابو میں رکھو۔ تو یہاں پر ہے کہ جو واجبی عبادات ہیں صدقات ہیں وہ اعلانیہ دو اور جو نفلی ہیں وہ خفیہ دو۔ اعلان کے ساتھ حج احسن ہے۔ اور حضور ﷺ کی سنت ہے۔ کبھی کبھی صدقہ جو ہے وہ حقوق العباد اور شریعت سے بری کر دیتا ہے۔ اس کی مثال کیا ہے۔ روزے کا فدیہ۔ بیمار اور ضعیف جن میں روزہ رکھنے کی صلاحیت نہیں ہے وہ اگر فدیہ دیتے ہیں تو فرض روزے سے ان کو استثنیٰ مل جاتا ہے۔ تو بعض حالات میں صدقہ جو ہے وہ حقوق العباد اور فرض عبادت سے بری کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کے بتائے ہوئے طریقے سے اس کی راہ میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شکرانے کے طور پر اپنے کرم کے شکر کے طور پر اس کی راہ میں خرچ کرنے اور

عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہمیں ہدایت عطا فرمائے تاکہ ہم

دینے والے سے محبت کریں۔ دی ہوئی چیزوں سے محبت نہ کریں۔

وَأَخِرُ دَاعُونَ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝



پَارَةَ تِلْكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ
آيَاتِ نَمْبِرٍ ٢٤٢ - تا - ٢٤٣

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَعَلَىٰ آلِكَ وَأَصْحَابِكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَا كُنَّ اللَّهُ
يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ
خَيْرٍ فَلَا نُفْسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا
ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ
خَيْرٍ يُؤْتِ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٤٢﴾
لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ
يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ
التَّعَفُّفِ ۗ تَعْرِفُهُمْ بِسِيَاهِهِمْ
لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِحْفَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوا

مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢٤٣﴾
 الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ
 وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ
 عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
 هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٤٣﴾

انہیں راہ دینا تمہارے ذمہ لازم نہیں، ہاں اللہ راہ
 دیتا ہے جسے چاہتا ہے، اور تم جو اچھی چیز دو، تو
 تمہارا ہی بھلا ہے، اور تمہیں خرچ کرنا مناسب نہیں
 مگر اللہ کی مرضی چاہنے کے لئے، اور جو مال دو تمہیں
 پورا ملے گا اور نقصان نہ دیئے جاؤ گے۔ ﴿٢٤٤﴾ ان فقیروں
 کے لئے جو خدا کی راہ میں روکے گئے، زمین میں چل
 نہیں سکتے۔ نادان انہیں تو نگر سمجھے بچنے کے سبب،
 تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا، لوگوں سے
 سوال نہیں کرتے کہ گڑ گڑانا پڑے، اور تم جو خیرات
 کرو اللہ اسے جانتا ہے ﴿٢٤٣﴾ وہ جو اپنے مال خیرات
 کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر، ان
 کے لئے ان کا نیک ہے ان کے رب کے پاس،

ان کو نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم (۲۷)

اے عزیزانِ محترم! آج انشاء اللہ ۲۷ تا ۲۸ کی تفسیر پیش کرونگا
پہلی دو آیات یعنی ۲۷ اور ۲۸ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جس کو چاہتا
ہے وہ حکمت عطا فرمادیتا ہے، اور حکمت خیر ہے۔ جس کو اللہ نے حکمت
عطا کی ہے اس کو خیرِ کثیر عطا فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے
حکمت لے کر سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے غلاموں تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ تو
وہ اللہ تعالیٰ خیرِ کثیر کا عطا فرمانے والا ہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ اور ان
کے غلام اولیاء اللہ اس خیرِ کثیر کے قاسم ہیں۔ اور بے شک اللہ کی طرف
سے جو نصیحتیں ہیں جو حکمتیں ہیں اس کا فائدہ صرف صاحبانِ عقل کو ہوتا ہے۔
جن کو اللہ نے عقل سلیم عطا فرمائی ہے وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔
پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ اللہ کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں
ہے۔ تو جو صدقہ دے یا نذر مان کر نذر دے، یہ سب اللہ کے علم میں ہے۔
اگر کوئی ایسا کرے کہ کام اس کا اٹکا ہوا ہو، اور وہ نذر مانے اور کام ہو جانے
پر نذر پوری نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو پتہ لگ جائے گا کہ اس نے ظلم کیا ہے
اپنے اوپر: وما للظالمین من النصارۃ: اور گناہ گاروں کا کوئی مددگار
نہیں ہوتا۔

پھر اللہ نے فرمایا کہ صدقات دو طریقے سے دیئے جاسکتے ہیں۔

ایک چھپا کر اور دوسرے اعلانیہ۔ تو اللہ فرماتا ہے کہ تم چاہے چھپا کر صدقہ دو، یا کھلے عام دو، دونوں طریقے سے جو کچھ تم فقراء کو دیتے ہو، وہ تمہارے لئے ایک نیکی ہے اچھی بات ہے۔ اور اس نیکی کا اجر یہ ہوتا ہے کہ تمہارے وجود سے تمہاری برائیاں دُور کر دی جاتی ہیں تمہارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، تمہارے قلب و رُوح پاکیزہ ہو جاتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر کام جو ہم کرتے ہیں سے باخبر ہے۔ ظاہر ہے انعام دینے والا جب تک باخبر نہ ہوگا۔ اس کا انعام کیسے دے گا۔

اب ۲۷۲، ۲۷۳ آیت ہے: لیس علیک ہدایہم ولکن

اللہ۔۔۔ الیکم وانتم لاتظلمون ۵: اس آیت کا پچھلی آیات سے تعلق ہے پچھلی آیات میں صدقات اور خیرات کا ذکر تھا۔ کھلے عام دینے کا یا چھپا کر دینے کا تھا، نیک نیتی سے دینے کا تھا۔ ریا سے خالی ہو کر دینے کا تھا۔ اخلاص کے ساتھ دینے کا تھا اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ صدقات و خیرات بلا لحاظ دینا ہے۔ یہ نہیں کہ کوئی کافر ہے، یا مشرک ہے، یا مسلمان ہے۔ تم ہر ضرورت مند کو دے سکتے ہو۔ تو اب صدقہ لینے والے کی کیٹگریز کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وہ مومن بھی ہو سکتے ہیں، غیر مومن بھی ہو سکتے ہیں کیوں؟ صدقہ اپنے بندوں میں سے اغنیاء سے غریب کو دیا جاتا ہے، ولو انما یرت کی ربوبیت کا منظر ہے۔ رب جو ہے وہ رب العالمین ہے۔ سارے عالم کو پالنے والا ہے۔ خیر الرازقین

ہے سب سے اچھا رزق دینے والا ہے۔ ایک کافر کو بھی رزق دیتا ہے اور مومن کو بھی رزق دیتا ہے، تو اس سے اس کا سب سے بڑا تعلق یہ ہے کہ پہلا صدقات کا ذکر ہے، اس کے طور طریقے کا ذکر ہے، اب یہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ صدقات کفار اور مشرکین دونوں کو دیئے جاسکتے ہیں۔ صدقات و خیرات غیر مسلموں سے اس وجہ سے نہیں روکنا چاہئے کہ وہ معاشی دباؤ میں آکر اسلام قبول کر لیں گے یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اس لئے کہ ہدایت تو اس نے اپنے پاس رکھی ہوئی ہے جسکو چاہے گا وہ ہدایت دے دے گا۔ پہلے میں اس کا مطلب آپ کو بتا دوں :

لیس عليك هداهم : آپ کے اوپر یہ ذمے داری نہیں ہے، ان لوگوں کی ہدایت کریں۔ یعنی کفار اور مشرکین کی ہدایت۔

اے میرے محبوب! آپ اس بات کے ذمے دار نہیں ہیں کہ وہ لوگ راہِ راست پر آجائیں۔ آپ تو بشیر و نذیر ہیں۔ اچھا کام کر نبوالوں کی بشارت دینے والے، اللہ کے انعام کی خوشخبری دینے والے ہیں اور بُرا کام کرنے والوں کو اللہ کے خوف سے ڈرانے والے ہیں۔ آپ بشیر اور نذیر ہیں۔ ہدایت دینے والا میں ہوں جس کو میں چاہوں گا۔ : و لکن اللہ یهدی من یشاء : لیکن اللہ کی ذات ہی وہ ذات ہے جس کو چاہے وہ ہدایت دے دیتا ہے۔ اسلام لانے سے پہلے بہت سارے لوگ اہل مکہ اور اہل مدینہ ان کی قرابت داریاں مشرکین میں تھیں، یہودیوں

میں تھیں۔ اور اسلام لانے کے بعد ان کو ایک طرح کی کراہیت ہوتی تھی، ان سے تعلق رکھنے میں۔ لہذا ان کو پہلے اپنے رشتے داروں کے ساتھ، اعزاء، اقربا اور غرباء کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے، انہوں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ ان کو آب نہیں دیتے تھے۔ تو مدینہ منورہ میں بھی جو دو بڑے قبیلے تھے، ان میں رشتے داریاں تھیں، شادی بیاہ ہوتے تھے ان میں بھی غرباء فقراء ہوتے تھے ان کی یہ مدد کیا کرتے تھے انصار۔ اسلام لانے کے بعد شروع شروع میں تو وہ کرتے رہے جب بہت زیادہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو مسلمانوں میں فقراء غرباء زیادہ تر ایسے ہی تھے۔ مساکین اور خاص طور پر اہل صُفّہ۔ تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ حتی الوسع اپنا صدقہ و خیرات مسلمانوں کو دیا کرو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ پھر یہ بھی ہوا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں ان کی والدہ اور ان کی دادی آئیں، اپنا کوئی سوال لے کر، کوئی حاجت لیکر ان کے پاس۔ دونوں مشرکہ تھیں تو انہوں نے کہا کہ میں حضور ﷺ سے پوچھے بغیر آپ کی کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ تو آپ ﷺ کے پاس وہ تشریف لے گئیں، تو آپ نے کہا کہ دیکھو ان کے کُفر سے یا تمہارے اسلام لانے سے تمہارا رشتہ نہیں ٹوٹا ہے۔ قرابت داریاں اور رشتے داریاں کبھی نہیں ٹوٹتیں۔ تو ان کا حق تم پر ہے تم ان کا حق ادا کرو۔ تو اس وقت اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے یہ اتاری۔

صدقہ و خیرات ان کفار اور مشرکین یہود و نصاریٰ غرباء مساکین کو
 صدقہ و خیرات دے کر ان کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ ہدایت تو میں ہی
 دوں گا جس کو چاہوں گا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو جائے گا۔ جن علماء نے
 اس کی تشریح و تفسیر کی ہے وہ یہ ہے کہ فرض صدقات ہیں جیسے زکوٰۃ
 ہے یہ تو صرف مسلمانوں کے لئے جائز ہے۔ جو نفلی ہیں صدقہ و خیرات
 وہ آپ کفار مشرکین اور دوسرے ضرورت مندوں کو دے سکتے ہیں۔ اس
 کا شان نزول جو ہے۔ ایک تو حضرت اسماء بنت ابی بکر کا واقعہ آپ کو سنا یا
 اور دوسرا یہ کہ ایک انصاری کی رشتہ داریاں تھیں وہ دونوں قبیلوں بنی نظیر اور
 بنی قریظہ سے اور تیسری رشتہ داریوں کی بات کی، اور چوتھا یہ کہ جب
 مدینہ منورہ کے مسلمان تمام فقراء کو بغیر امتیاز کے دیا کرتے تھے لیکن جب
 مسلمان زیادہ ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں کو ترجیح دی، اُس وقت یہ آیت
 نازل ہوئی۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: اے میرے حبیب ﷺ! مخلوق کی
 ہدایت آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ میری ذمہ داری ہے، آپ سے
 اس کی پرستش نہیں ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دے
 دیتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد
 کو ہدایت نہ ملی وہ مومن نہ ہوئے۔ اور: وما تنفقوا من خیر فلا نفسکم؛
 تم جو کچھ خرچ کر دو گے اللہ کی راہ میں! یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اور تم مومن

ہو تم ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہو۔ : وما تنفقون... وجه الله:
 اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اللہ کی رضا جوئی کے لئے کریں گے۔
 جو کچھ آپ خرچ کریں گے : وما تنفقون : اور آپ خرچ نہیں کریں
 گے : الابتغاء وجه الله : سوا اس کے کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے
 کے لئے : وانتم لا تظلمون ۵ : اور جب آپ اللہ کی رضا کے
 لئے خرچ کریں گے۔ بغیر اس امتیاز کے کہ یہ ضرورت مند مسلمان ہیں یا
 کافر۔ تو آپ گھائے میں نہیں رہیں گے۔ جو آپ نے کفار کو دے دیا۔
 وہ بھی صدقہ اللہ کی بارگاہ میں مانا جائے گا۔ اس کا بھی ثواب ہوگا۔ کس
 کو ملتا ہے، اس بنا پر آپ کو ثواب نہیں ملتا۔ ثواب اس بنا پر ہوتا ہے
 کہ آپ نے یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کیا ہے۔

اس آیت مبارکہ کے کچھ اصول بھی بنتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ
 کفر اور شرک سے رشتہ نہیں ٹوٹتا۔ اور اہل قرابت سے سلوک جاری رکھنا
 مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا ہے۔ اور ذمی کفار کو کچھ وہ ہیں جو ٹیکس دیتے
 ہیں۔ اور اسلامی حکومت، اسلامی معاشرہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری
 لیتی ہے وہ ذمی کہلاتے ہیں۔ تو ذمی کفار کو صدقہ نفلی دینا جائز ہے نہ
 کہ فرض۔ یا جائز ہے فرض نہیں ہے۔ یہ اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ
 صدقہ فرض صرف مسلمانوں کو دیا گیا، زکوٰۃ لیکن ذمی کفار کے ساتھ تو آپ
 سلوک کر سکتے ہیں۔ لیکن حربی کافر جو ہے جس سے آپ کی جنگ ہو جیسے

ہندوستان کے مسلمان، ہندو ہیں۔ ان کو صدقہ دینا جائز نہیں ہے۔ کوئی اسرائیلی مل جائے اسکو نہیں دیں گے۔ ہندوستانی کوئی ملیگا جو مسلمانوں کا دشمن ہے یا حربی کافر ہے صرف ان کے حقوق قرابت داری جو ہے وہ آپ ادا کریں۔ دوسری بات یہ کہ تبلیغ دین کے لئے ناجائز ذریعہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ کفار کرتے ہیں مسلمانوں کے خلاف اپنا مطلب نکالنے کے بعد۔

اسلام نے معاشی پابندی کا طریقہ یعنی کسی ذریعے کے حصول کے لئے کسی کو معاشی تنگی دینا یہ ناجائز قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ مدینہ کے کفار اور مشرکین اور یہود و نصاریٰ پر بھی زکوٰۃ و صدقات کی پابندی کو اللہ تعالیٰ نے قبول نہیں فرمایا۔ اور کہا کہ یہ ذریعہ نہ استعمال کرو ان کو ہدایت پہ لانے کا وہ تو اللہ ہی ان کو ہدایت پہ لائے گا۔ تو تبلیغ دین کے لئے ناجائز ذریعہ اختیار کرنا وہ منع ہے۔ ہمارے ہاں لوگ اپنے فقہ کی اپنے مسک کی تبلیغ کے لئے چندہ کرتے ہیں وہ بہت ہی غلط ہے۔ آپ نے کسی غریب فقیر کو صدقہ دے دیا، اس نے جا کر اس کی شراب پی لی۔ آپ کا صدقہ اس سے خبیثہ نہیں ہوگا۔ مثلاً گھٹانا پاک جانور ہے جبکہ اس کو پانی پلانا ثواب کا کام ہے تو آپ کی نیکی صرف اس وجہ سے نہیں ضائع ہو جاتی کہ پینے والا گناہ ہے تو آپ کا صدقہ اس لئے نہیں جائز ہوگا کہ لینے والا کافر ہے۔

ساتواں اصول یہ ہے کہ مال حلال سے خیرات کرنی چاہیے صحابہ کرام

کے صدقے اخلاص پر مبنی تھے۔ وہ ریا سے خالی تھے، جو کچھ کرتے تھے اللہ کی رضا کے لئے کرتے تھے اور اس لئے اللہ نے ان کو جب مخاطب فرمایا تو فرمایا: وَمَا تَنْفِقُونَ۔۔۔ اللہ: آپ تو خرچ ہی نہیں کرتے بجائے اس کے کہ اللہ کی رضا کو تلاش کریں، اسکی جستجو کریں۔ اس سلسلے میں ایک ذمی کافر کو خیرات دینی جائز ہے۔ لیکن اسے لینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مسلمانوں کی بے غیرتی ہوگی کہ کافروں کے سامنے وہ ہاتھ پھیلائے لیکن انہیں سود دینا حرام ہے ذمی کافر کو۔

اس کی تفسیر صوفیانہ یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مظہر ہے کہ ضرورت مند کافر اور مشرکین کو یہود و نصاریٰ کو بھی رزق پہنچاتا ہے۔ صدقات کے ذریعے سے اگر وہ کچھ کما نہیں سکتے ہوں اور محتاج ہوں۔ اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ اللہ تعالیٰ نے مناسب نہیں سمجھی۔ ہمارا نفس فقہی محتاج ہے۔ لیکن وہ طور طریقے اپنے کرتا ہے۔ کفار اور مشرکین کی طرح سے۔ یہ نیک عمل میں رکاوٹ کرتا ہے۔ اور آپ کا کام یہ ہے کہ آپ نفس پر سواری کریں۔ لیکن گھوڑے کو اگر چارہ نہ دیں، تو آپ سواری کیسے کریں گے، وہ تو بے ہوش ہو کے مر جائے گا۔ تو اس وجہ سے اللہ نے حقوق العباد کے ساتھ اور حقوق اللہ کے ساتھ حقوق النفس بھی رکھے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ اگر تمہارا نفس صحیح ہو جائے تو تم اس کے حقوق ادا کرنا بند کر دو۔

اگلی آیت جو ہے وہ اصحابِ صُفّہ کے متعلق ہے آپ لوگوں کو
 پتہ ہے کہ وہ صُفّہ کا جو مقام ہے آپ لوگوں نے دیکھا ہوگا، چوتراہ کہتے
 ہیں۔ تو وہاں حضورِ اکرم ﷺ کے زمانے میں چار پانچ سو فقرا وہاں ہر وقت
 بیٹھے ہوتے تھے، اتنے غریب ہوتے تھے کہ ان کے تن پہ پورا کپڑا بھی نہیں
 ہوتا تھا پیٹ پچکا ہوتا تھا اس لئے کہ فاقے کئے ہوتے تھے۔ اور سارا دن
 عبادت کرتے تھے نماز اور قرآن پاک پڑھتے تھے۔ رات کو تہجد پڑھتے
 تھے۔ بس اس چوتراہ پر پڑے رہتے تھے۔ سوائے رفع حاجت کیلئے
 جاتے تھے۔ توکل اتنا تھا کہ اللہ پر بھروسہ کرتے تھے۔ کسی کے آگے وہ ہاتھ
 نہیں پھیلاتے تھے۔ اگر ان کو کوئی پہچانتا تھا تو ان کے چہرے سے یا انکی
 آواز سے، یا ان کے لباس سے، ان کے ہلنے چلنے کی علامت سے کہ ان
 کو پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا، ان کو کپڑا نہیں ملتا۔ تو ایسے لوگوں کے متعلق بھی
 اللہ تعالیٰ نے خاص تاکید فرمائی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں دین کے کام
 کے لئے اللہ کو یاد کرنے کے لئے اپنے کو وقف کر رکھا ہے وہ دنیا میں
 رزق کی بھاگ دوڑ کے لئے معذور ہیں۔ جیسے اصحابِ صُفّہ۔ ایسے لوگوں
 کو پہچاننے کی کوشش کرو، اور ان کی مدد کرو۔ اس کا بڑا ثواب ہے :
 للفقراء الذین احصرو فی سبیل اللہ : اور ایسے فقراء کو بھی دینا ہے :
 یہاں پر یہ کھپلی سے وابستہ ہے : للفقراء : ان فقراء کے لئے
 بھی : الذین : جو کہ ہیں : احصرو : حصار کہتے ہیں باندھنے کو روکنے

کو۔ جو کہ اٹک رہے ہیں، اُر کے ہوئے ہیں۔ حصار میں ہیں، فی سبیل اللہ۔
اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اُر کے ہوئے ہیں، اُٹکے ہوئے ہیں۔
اپنے کو اللہ کی ذات سے وابستہ کئے ہوئے ہیں : لا یستطیعون :
استطاعت، قوت، ضرباً۔ ضرب کا مطلب ہے چلنا : فی الارض : ان میں
اتنی طاقت نہیں ہے اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ بھاگ دوڑ کریں اور
رزق حاصل کریں۔

حسنة هم الجاهل : حسنہ سمجھنے کو کہتے ہیں تو ان لوگوں کے متعلق
یہ کیا گمان کرتے ہیں۔ جاہل اور پڑھے لکھے نہیں بلکہ یہاں مطلب ہے وہ
لوگ جو ان کے حالات سے واقف نہیں ہیں وہ ان کو کیا سمجھتے ہیں : بحسب
هم الجاهل۔۔۔ من التعفف : تعفف کا مطلب ہے کہ وہ کس سے
سوال نہیں کرتے۔ نہیں مانگتے۔ تو لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے کی وجہ
سے بہت سے لوگ ان کے متعلق یہ غلط گمان رکھتے ہیں کہ وہ مالدار ہیں اور
گھر بار چھوڑ کر اللہ کی راہ میں یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ : تعرفهم بسيماهم :
پیشانی کو کہتے ہیں۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم، آپ تو ان کو پہچان جانتے
ہیں، ان کے چہرے سے اگرچہ ان کا کیا طور طریقہ ہے : لا یستعون الناس
الحاقاً : لحاف کہتے ہیں لپٹ جانے کو یہ اوڑھ کر کے سوتے ہیں۔ تو یہ
لوگوں سے سوال نہیں کرتے، بے کس ہوں اللہ کی راہ میں دے دو۔ یہ
لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے، لوگوں کے پیچھے نہیں پڑتے۔

کے لئے۔ اور اس وجہ سے اور کس سے سوال نہیں کرتے۔

اس وجہ سے بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ غنی ہیں مالدار ہیں یہ خیرات و صدقات کے مستحق نہیں ہیں۔ لیکن آپ تو اُسے حبیب! صلی اللہ علیہ وسلم یہ غلام جو ہیں یہ ان کے چہروں سے پہچان جاتے ہیں ان کی نقاہت سے پہچان جاتے ہیں۔ ان کی کمزور آواز سے پہچان جاتے ہیں ان کے لباس سے پہچان جاتے ہیں، ان کو بھی دینا بہت ثواب کا کام ہے۔
وما تنفقو من خیر۔۔۔۔۔ علیہم اور تم اللہ کی راہ میں اچھا خرچ کرو، تو اللہ تعالیٰ اس کو جان جائیگا۔ بے شک وہ اتنا مہربان ہے کہ ہر چیز اس کے علم میں ہے اور وہ ہر اچھے کام کا صلہ عطا فرماتا ہے۔

تو یہ آیت مبارکہ اصحابِ صفہ کے نازل ہوئی تھی اور ایک دفعہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ ان کی دلجوئی کے لئے آپ نے فرمایا: کہ اے صفہ والو! میری اُمت میں جو کوئی تمہاری طرح سے صابر و شاکر ہوگا، اور پرہیزگار ہوگا وہ قیامت کے دن میرا رفیق ہوگا۔ فقر میں صبر اور شکر جو ہے اس کا انعام یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ سرکارِ دو عالم کا رفیق ہوگا۔ اور پھر دوسرے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: اے لوگو! ایک وقت آنے والا ہے جب تمہارے سامنے دسترخوان پر کھانوں کے پیالے رکھے جائیں گے، یعنی اہل صفہ کے آگے اور حکمران ان کے میزبان ہوں گے۔ اصحابِ صفہ نے کہا کہ اے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر

ہمارے ماں باپ قربان۔ اس دن تو ہم بڑے ہی خیر میں ہوں گے۔ تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ بلکہ تم خیر میں تو آج بھی ہو اس لئے کہ تم اللہ کے محبوب ہو اللہ تعالیٰ تمہیں پسند کریگا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے حبیب ﷺ کی صحبت نصیب کرے گا قیامت کے دن۔

تو اس دن اس واقعے کی نسبت سے یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کا خلاصہ تفسیر یہ ہے کہ اصل حق تو ان فقیروں کا ہے جو راہِ الہی میں مقید ہو گئے ہیں کہیں جا نہیں سکتے۔ دین کا کام کرتے ہیں اور دین کے کام میں ایسے مشغول ہو گئے ہیں کہ ان کے لئے تلاشِ معاش مشکل ہے وہ اس میں سرگرداں نہیں رہ سکتے۔ اور اگر وہ طلبِ معاش میں نکل جائیں تو ان کے دینی کام میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ جو نادانقیت سے انہیں غنی سمجھتے ہیں، وہ اللہ کی رضا کی تلاش میں رہتے ہیں۔ وہ ایسے لوگوں کی نقاہت اور حالات دیکھ کر کے پتہ لگاتے ہیں کہ یہ حاجت مند ہیں اور اعلانیہ اور خفیہ طریقے سے ان کی مدد کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ کے کچھ فائدے ہیں کچھ اصول ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بہترین زندگی ان کی ہے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کو اللہ کیلئے وقف کر دیا ہے۔ اس لئے کہ ایسے ہی لوگوں کے لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن وہ میرے رفیق ہوں گے۔ تو جس زندگی میں قیامت کے دن اللہ کے حبیب، یعنی شیعہ المذنبین کی رفاقت نصیب

ہو۔ ان کی زندگی ہی بہتر ہے۔ اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے صدقات کا خصوصی حکم اس آیت مبارکہ ۲۴۲ میں دیا ہے۔ ضرورتِ خاص کے تحت کفار کے ساتھ احسان بہتر ہے، لیکن ان کے مقابلے میں متقی اور پرہیزگار کی خدمت میں اور زیادہ ثواب ملتا ہے۔ تیسرا اصول یہ ہوا کہ عام فقراء بھیک مانگنے والے سائلین کے مقابلے میں غریب اور دینی مدارس کے طلباء کو صدقہ دینا افضل ہے، اس لئے کہ وہ اپنے کام میں ایسے مشغول ہیں اللہ کے کام میں کہ وہ اپنے لئے کوئی دوسرا ذریعہ رزق نہیں بنا سکے، اسی اصول کے تحت بہت سارے فقراء اور بزرگان، لوگوں کے نذرانے وصول کرتے تھے۔ اور پھر اپنی ضرورت سے جتنا بھی زیادہ ہوتا تھا۔ کم سے کم اپنی ضرورت اس سے پوری کر کے باقی سب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے اور خانقاہیں چلاتے تھے۔ اور پھر اللہ کے جو بندے وہاں آتے تھے ان کی دیکھ بھال ہوتی تھی۔

چوتھی بات یہ کہ پیشہ ور بھکاریوں سے زیادہ افضل ہیں چھپے ہوئے مساکین کو دینا جیسے کہ اصحابِ صفہ۔ پانچواں اصول یہ ہوا کہ مخلوق سے اپنی تنگدستی کو چھپانا افضل ہے، جیسے اصحابِ صفہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے، کسی سے چٹتے نہیں تھے۔ مسجد نبوی میں میں نے دیکھا ہے کہ بعض مساکین بیٹھے ہوتے ہیں، لوگوں کو ان کی پہچان نہیں ہوتی۔ ہر ایک سے نہیں سوال کرتے۔ وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں تو آپ اندازہ لگالیتے

ہیں کہ یہ ضرورت مند ہے۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کا کرم یہ ہے کہ میں ادھر سے گزرتا ہوں تو دیکھتا رہتا ہوں۔ تو ان میں سے بہت سے لوگ میری طرف دیکھتے ہیں تو مجھے حکم ہوتا ہے کہ فلاں آدمی کو دے دو۔ میں اس کو نکال کر دے دیتا ہوں۔ حضور ﷺ کا جس کو حکم ہوتا رہتا ہے، میں ان کو دیتا رہتا ہوں۔ تو یہ غریب ہیں جنہوں نے اپنی ضرورتوں کو چھپا رکھا ہے۔ اور صرف جو محرم ہے باطنی طور پر صرف انہی سے اپنا حال بتاتے ہیں، نامحرموں سے اپنی غربت اور مسکینی کا اظہار نہیں کرتے۔ تو پیشہ ور بھکاریوں سے افضل چھپے ہوئے مساکین کو دینا اور مخلوق سے اپنی تنگدستی چھپانا افضل ہے۔ چھٹا اصول یہ ہے کہ اچھے لباس والا اگر کوئی فقیر ہو صاف ستھرا تو اس کو دینا جائز ہے۔ منع نہیں ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ کسی امیر آدمی نے اس کو ایسا لباس دے دیا ہو تو صرف اس وجہ سے کہ اس نے لباس اچھا پہنا ہوا ہے اور اس کو فاقہ نہ کر دائیں۔ اس کی ضرورت کو پوری کریں۔ اسی طریقے سے تندرست فقیر کو بھی زکوٰۃ لازم ہے اگر وہ نصاب سے کم ہے۔

اور اب میں فقیر کی قسمیں بتاؤں گا۔ جس پر فقیر کی علامت ہے اسے زکوٰۃ دینی جائز ہے اندر کے حالات کا پتہ لگانے کا آپ کو حکم نہیں ہے۔ اور علامات پر حکم شرعی نافذ ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کے سر پہ چوٹی ہے اور اس نے رومال باندھا ہوا ہے، بظاہر وہ ہندو کافر لگ رہا ہے اندر سے مسلمان ہی کیوں نہ ہو، نہ اس کی نماز جنازہ جائز ہے، نہ اس کی اسلامی تجہیز و تکفین جائز

ہے تو علامات جو ہے اس پر شرعی حکم نافذ ہوتا ہے۔ اگر کسی کی علامت ایسی ہے، فقیروں والی تو اس کو آپ زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَا يَسْتَلُونَ النَّاسَ الْحَافِظُ : لحاف بن کر لپٹنے سے جان کے پیچھے پڑ کر سوال نہیں کرتے۔ تو اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کہ سوال میں اصرار جو ہے وہ منع کیا گیا ہے۔ یہ جو لوگ کرتے ہیں، بس پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ آپ نے ایک دفع منع کیا پھر بھی پیچھے پڑ جاتے ہیں یہ بات غلط ہے۔ اگر کسی شخص کو صاحبِ نصاب نہیں ہے لیکن اس کے پاس استعمال کا کپڑا ہے۔ اور گھر کی بنیادی ضروریات اس کے پاس ہیں۔ اس کے باوجود بھی اس کو صدقہ و خیرات دینا اور زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اب فقر کے تین درجے ہیں اور اسی لحاظ سے ان کے ساتھ کام کرنا ہے ایک تو یہ ہے کہ وہ فقیر ہے، لیکن اس کے پاس جو اثاثہ ہے وہ نصاب سے تھوڑا ہی کم ہے۔ ایسے آدمیوں کے لئے سوال کرنا منع ہے۔ اگر کسی کو پتہ لگ گیا کہ ان کے حالات جو ہیں کچھ ٹھیک نہیں ہیں ضرورت ہے، ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کو خود سے سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اگر کسی کے پاس ساٹھ تولے سے تھوڑا کم سونا ہے، پونے ساٹھ تولے ہے یا ساڑھے چھ (۶) تولہ ہے، تو شرعاً تو وہ اس کے حق دار ہو گئے لیکن وہ شخص جانتا ہے کہ میں نصاب سے تھوڑا ہی سا کم ہوں تو ایسے لوگوں کو سوال کرنا مناسب نہیں ہے۔ اگر کسی نے اسکے حالات

کو دیکھ کر کے اس کی کوئی مدد کر دی تو وہ جائز ہے۔ دوسرا فقر کا درجہ یہ کہ وہ شخص مفروض ہے یا چند فاقے کر چکا ہے، ایسے لوگوں کیلئے سوال کرنا جائز ہے۔ تیسرے وہ صاحب فقر ہیں جو کہ قریب المرگ ہیں، بھوک سے اور کوئی حلال چیز ان کو میسر نہیں ہے تو ایسے لوگوں کیلئے کھانے پینے کی حرام چیزیں بھی اللہ تعالیٰ نے حلال کر دی ہیں۔ یہ جب آیت اتری اصحابِ صفہ والی تو صحابہ کرام کو پتہ لگا تو کچھ لوگوں نے کھلے عام چیزیں ان کے لئے بھجوا دیں اور کچھ لوگوں نے رات کو۔ حضرت علیؓ نے رات کو بھجوائیں۔ تو صحابہ کرام میں سے کچھ نے صدقات کھلے عام دیئے اور کچھ نے لوگوں سے چھپا کے دیئے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ دونوں ادائیں پسند آئیں۔ چنانچہ اگلی آیت نازل ہوئی: **الذین ینفقون اموالہم باللیل والنہار سرا وعلانیۃ: اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا رات کو اور دن کو چھپا کر کے اور علانیہ۔ فلہم اجرہم عند ربہم: ان لوگوں کے لئے اس نیکی کا اجر اللہ کے پاس ہے۔**

یعنی دونوں کے اعمال جو ہیں دونوں کے صدقات و خیرات اللہ کی بارگاہ میں قبول ہیں: **ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون** : ایسے لوگوں کو ہم نے ادبیا اللہ کی طرح سے قیامت کے دن کے خوف سے نجات عطا فرمادی ہے۔ اور دنیا کے غم سے نجات عطا فرمادی ہے

نہ گزرے ہوئے دنوں کا غم نہ احساسِ محرومی ہے انہیں نہ آنے والے دنوں کا کوئی خوف ہے۔ انہیں محرومی اور کچھلی پریشانیوں کے بوجھ سے بھی نجات دلا دی اور آئندہ آنے والے خطرات کے خوف سے بھی نجات کر دی۔

اس کا شانِ نزول میں نے عرض کیا تھا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصحابِ صفہ کے پاس دن کے وقت بہت سارے دینار بھیجے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تقریباً چھ (۶) من کھجوریں ان کے پاس بھیجیں۔ ساٹھ (۶۰) صاع۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس میں ان دونوں صحابہ کو قبولیت کا پروانہ عطا ہوا۔ اسکا پہلا جز جو ہے کہ: **بالیل والنہار**: یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے اور دوسرا جز حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے۔ دوسری اس کے متعلق یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس (۴۰) ہزار دینار خیرات کئے۔ دس ہزار دینار انہوں نے رات میں لوگوں کو دیئے۔ دس (۱۰) ہزار دن میں اور دس (۱۰) ہزار پوشیدہ طور پر، اور دس (۱۰) ہزار اعلانیہ طور پر۔ اس وقت یہ آیت اُتری کہ یہ ان کو بھی خیرات کر رہے ہیں۔ رات کو بھی کر رہے ہیں اور پوشیدہ طور پر بھی کر رہے ہیں۔ اعلانیہ طور پر بھی کر رہے ہیں۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہِ عالی میں مقبولیت بخشی۔ اور ان کی شان میں یہ آیت اُتری۔

تیسری روایت یہ ہے کہ ایک بار حضرت علیؑ کے پاس صرف ۴ درہم تھے، انہوں نے چاروں خیرات کر دیئے۔ ایک رات میں ایک دن میں ایک نحفیہ اور ایک اعلانیہ۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ آپ نے عرض کیا کہ یادِ الہی کا اپنے آپ کو حقدار بنانے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے کہ ہم تمہیں اجر دیں گے کامیابی عطا کریں گے تو اس کا حقدار بننے کیلئے۔ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی: لک ذالک: آپ کے لئے بالکل ایسا ہی ہے۔ اس سے اصول بنتا ہے۔ اس شانِ نزول سے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس (۴۰) ہزار دینار تھے۔ اس کو بھی اللہ نے قبولیت عطا فرمائی۔ حضرت علیؑ کے پاس صرف ۴ دینار تھے وہ بھی انہوں نے اللہ کی راہ میں دے دیئے۔ دونوں کے قبولیت کے درجات ایک ہی ہیں دونوں کے لئے یہ آیت مبارکہ اُتری۔

تو نیکی اور خیرات حسب استطاعت کرنا ہے، اس کی پرواہ نہ کریں کہ ہمارے پاس تو ایک ہی پیسہ ہے کہ اگر آپ کے پاس ایک پیسہ ہے تو یہ اس سے زیادہ قیمتی ہے جس کے پاس ایک یا دو کروڑ جو وہ خیرات کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال، نیت اور اخلاص پر دیکھے جاتے ہیں۔ اس کی مقدار نہیں دیکھی جاتی۔ بعض صحابہ کرام نے جہاد کی نیت سے گھوڑے پالے تھے، جن کی وہ دن رات خدمت کرتے تھے

ان کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر مومے گھوڑے کو دیکھ کر یہ آیت پڑھتے تھے۔ اور ایک یہ بھی ہے یہ ساری آیات جو ہیں صدقات و خیرات کی یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آئی ہیں۔ جنہوں نے شکرِ عسرت کو سارا سامان دے دیا تھا۔

اس آیت مبارکہ کے کچھ اصول بنتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ نیکی میں معمولی اور غیر معمولی کا لحاظ نہ کریں، صدقات میں تھوڑے اور زیادہ مال کی پرواہ نہ کریں۔ جو ہو سکے کر گزریں۔ کیونکہ اس میں اخلاص دیکھا جاتا ہے نہ کہ زیادتی و مال۔ دوسرا اصول اُس کا یہ بنا کہ نیکی میں دیر نہ کریں۔ جب ممکن ہو اور جو کچھ ممکن ہو کر گزرے۔ جیسا کہ : بالیل والنهار : سے ہے جو آپ کے پاس رات کو ہے، رات کو اللہ کی راہ میں، اور جو دن کو ہے دن کو دے دیں۔ یہ نہ کریں کہ دن کو اور آجائے گا تو کر دیں گے۔ دیر لگانے میں محرومی کا اندیشہ ہے بعض لوگ صدقہ کے لئے جمعہ اور رمضان کا انتظار کرتے ہیں یہ غلطی ہے، زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ آپ پہ تو واجب ہو گئی لیکن خدا نخواستہ اگر شام ہی میں روانگی ہو گئی تو پھر وہ رہ جائے گی تو دیتے رہنا چاہیے۔

تیسرا اصول یہ کہ نیکی ہمیشہ بار بار کرنی چاہیے اگرچہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ حدیث شریفہ میں ہے کہ سب سے اچھا کام وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے بار بار کیا جائے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ دائمی عمل

اچھا ہے اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ ہر حال میں نیکی کرے
 غم میں یا خوشی میں۔ غم میں، راحت میں۔ تکلیف میں، آرام میں، خلوت
 میں اور جلوت میں۔ چھٹا اصول یہ ہے کہ نیکی کا ثواب کرنے والے کو
 ضرور ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ ساتواں اصول یہ
 ہو کہ صدقات کا ثواب قیامت میں ضرور ملے گا۔ سخی کے مال کی برکت
 اور اس کا عیش و آرام سے محفوظ رہنا یہ صدقہ کا اجر نہیں، اس سے آخرت
 میں کچھ کمی ہو جائے۔ دنیا میں جو اللہ اس کو مال کی حفاظت اور جو برکت
 عطا فرماتا ہے، اس برکت سے آخرت میں اجر کم نہیں ہوتا۔

یہ تو کرم بالائے کرم ہے کہ آخرت میں بھی اس کا اجر ہے اور دنیا

میں بھی وہ مال محفوظ رہتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے۔ اور یہاں اللہ
 نے فرمایا ہے کہ: الذین ینفقون اموالہم۔۔۔۔۔ ولا ہم یحزنون ۵:

یہ: ولا خوف ولا ہم یحزنون ۵: کس کے لئے کہا گیا ہے؟: الا

ان اولیاء اللہ۔۔۔۔۔ یحزنون ۵: اللہ کے ولی کو نہ خوف ہو گا نہ حزن

ہو گا۔ تو جو صدقہ و خیرات دینے والے ہیں ان کا درجہ، اولیاء اللہ کا درجہ

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی نعمت ان کے لئے مخصوص فرمائی ہے، صدقہ و

خیرات دینے والوں کے لئے جو کہ اولیاء اللہ کے لئے ہے۔ اور صدقہ

و خیرات خوف و غم کو دور کرتے ہیں۔ اس لئے کہ جو سخی ہے اگر اس کا

مال ضائع بھی ہو جائے تو اس کو غم نہیں پہنچتا، اس کو کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔

اور وہ آخرت کے خوف سے بھی امن و سکون میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہتا ہے۔ اس کو پتہ ہے کہ ہمیں حساب نہیں دینا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی راہ میں صابر بنا کر رکھے اخلاص عطا فرمائے، اپنی کریمی سے اپنی ربوبیت سے جو وسائل ہمیں دیئے ہیں، اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ ہماری تمام توانائیوں اور صلاحیتوں کو اپنی راہ میں صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



پَارَةَ تِلْكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَةٌ نَمِير : ۲۷۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

الَّذِیْنَ یَاكُلُوْنَ الرِّبْوَا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا
كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ
مِنَ الْمَسِیِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا
الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبْوَا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ
وَحَرَّمَ الرِّبْوَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ
مِّنْ رَّبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَا
اَمْرًا اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ
اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

وہ جو سود کھاتے ہیں، قیامت کے دن نہ کھڑے

ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب
 نے چھوڑ کر مخلوط بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے
 کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے، اور اللہ نے
 حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔ تو جسے اس کے رب
 کے پاس سے نصیحت آئی، اور وہ باز رہا تو اسے
 حلال ہے جو پہلے لے چکا، اور اس کا کام خدا کے
 سپرد ہے، اور جو اب ایسی حرکت کرے گا تو وہ
 دوزخی ہے، وہ اس میں مدتوں رہیں گے ﴿۱۹۵﴾

درس شروع کرنے سے پہلے سورہ انفال کی ۲۳ ویں آیت
 آپ سب لوگوں کو سنا دوں۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ
 فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ صَدَقَ
 اللّٰهُ الْعَظِيْمُ ۝ اللہ تعالیٰ نے دو باتیں اس آیت مبارکہ میں فرمائی
 ہیں کہ ان دونوں کے ہونے ہوئے مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں عذاب نازل
 کروں۔ ایک تو یہ کہ آپ مکہ معظمہ میں رہیں اور پھر میں وہاں رہنے والوں
 پر عذاب کروں یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ لوگ
 جو مجھ سے معافیاں مانگتے رہیں، گناہ کر کے چاہے کبیرہ ہو یا صغیرہ۔

ہیں ان پر عذاب نازل کروں۔ ان کو عذاب میں مبتلا رکھوں ان کو سزا
 دوں۔ یہ مجھے گوارہ نہیں۔

اے عزیزانِ محترم! مکہ معظمہ تو ایک شہر ہے اور وہاں سرکارِ دو عالم^۴
 تشریف فرما ہیں۔ حرم شریف میں جاتے ہیں طواف کرتے ہیں عبادت
 کرتے ہیں تو ان کی موجودگی میں وہ پورا شہر محفوظ ہے۔ حالانکہ کفار بھی
 اس میں تھے کلمہ گو ہی نہیں تھے۔ جو اللہ کے عذاب سے بچ گیا۔

اہلِ طریقت کہتے ہیں کہ اپنے دل کو صاف ستھرا رکھو۔ اور کعبہ
 بنا کر رکھو اور اس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھاؤ، جس دل میں
 سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رہے گی، اُن کا تصور رہے گا۔ تو اللہ تعالیٰ
 یہ گوارہ نہیں فرمائے گا کہ ان پر کسی صورت سے عذاب نازل کرے۔

طریقت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جو ہے اس لئے ضروری ہے
 کہ اللہ کو پسند ہے اور اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہماری عافیت اسی
 میں ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ جائیں، تو اللہ اور اس کے
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ اگر آپ دل میں
 انہیں بٹھائیں تو وہ جسم جس میں وہ دل ہے وہ اللہ کے عذاب سے
 بچ جاتا ہے۔ وہ دل خانہ کعبہ کی طرح متبرک ہو جاتا ہے۔ اس جسم سے
 چاہے کیسے ہی گناہ اور خطائیں ہوئی ہوں، اللہ تعالیٰ اسے عذاب سے
 بچا لیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ توبہ اور استغفار اللہ کے عذاب سے انسان کو بچالیتا ہے۔ اور اس سے کیا سبق ملا ہم کثرتِ استغفار کریں۔ تو ہم اللہ کے عذاب سے بچے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم ہم پر رہے اس نے وعدہ کیا ہوا ہے : وما كان ليعذباہم..... يستغفرون ہ : جس دل میں سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اس دل کا جسم جو ہے وہ اسی طرح سے اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ مگر معظمہ ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۔

اے عزیزانِ محترم! میں نے آیت نمبر ۲۷۵ کی تلاوت کی ہے۔ آج انشاء اللہ ۲۷۴ اور ۲۷۵، دینِ آیت کی تفسیر بیان کروں گا۔ اس سے پہلے جو ۲۷۳، دینِ آیت تھی اس میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو صدقات و خیرات دینے کے متعلق حکم فرمایا ہے جو مسکین ہیں لیکن وہ یادِ الہی میں اتنے مستغرق ہیں کہ دین کی خدمت میں اتنے مصروف ہیں کہ ان کے پاس مہلت نہیں ہے، فرصت نہیں ہے کہ وہ تلاشِ رزق کے لئے اور تلاشِ معاش کے لئے دوڑ بھاگ کریں۔ یہ لوگ آسانی سے پہچانے بھی نہیں جاتے۔ اس لئے کہ سوال کرنے سے جھکتے ہیں۔ وہ عام فقراء کی طرح سے ایسے نہیں لپٹ جاتے جیسے جسم سے لپٹ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ استعمال فرمایا ہے : الخاف : چمٹ جاتے ہیں، فقیر مانگنے والے۔ اور ایسے لوگوں کو تو ان کے جسم کی نقاہت،

پہرے کی کمزوری سے اٹھنے بیٹھنے سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور آپ جو کچھ انہیں دیں گے، اس کی خبر اللہ تعالیٰ کو ہوگی، اور آپ ان پر جو کچھ خرچ کریں گے وہ آپ کے لئے خیر و برکت کا باعث ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان تمام نیکیوں سے باخبر ہے۔

اب چونکہ ان لوگوں کا ذکر ہوا تھا جو مانگتے نہیں جو یہ بھی نہیں ظاہر کرتے کہ یہ حاجت مند ہیں جو لوگ کھلے عام لوگوں سے صدقہ خیرات لینے میں تھکتے ہیں۔ لہذا اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دو چاہے رات کے اندھیرے میں کر دو یا دن کی روشنی میں کرو: **الذین ینفقون۔۔۔۔۔ اموالہم: وہ لوگ، وہ صاحبان ایمان وہ سخی لوگ جو اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں:** **فلہم اجرہم عند ربہم: ایسے لوگوں کے لئے اللہ کے پاس اجر ہے: ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ۝: اور ان کیلئے یہ انعام ہے کہ وہاں نہ ان کے لئے خوف ہے نہ غم ہے۔ جو مال چلا گیا، نہ اس کا غم ہے اور نہ اس کا غم ہے کہ اب ہم جائیں گے دُنیا سے رخصت ہوں گے، تو ہمارا مال یہ پیچھے رہ جائے گا۔ اس لئے کہ ان کا مال تو ان کے ساتھ جا رہا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو تم میری راہ میں خرچ کرو گے، جب میرے پاس آؤ گے تو اس کا اجر تمہیں ملے گا۔**

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اس کی شانِ نزول یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے حضرت علیؑ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہما ان لوگوں نے دن کو بھی، رات کو بھی، کھلے عام بھی، اور پوشیدہ طور پر بھی اللہ کی راہ میں صدقات و خیرات دیئے تو اللہ تعالیٰ کی سنت پر ہے، کلامِ پاک میں یہ آیات موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کے کرم سے صحابہ کرام کے اعمال کی تائید کی جو کچھ انہوں نے کیا، اللہ نے اس کا حکم دیا، بعض دفعہ تو ایسا ہوا کہ اس طرح کی خواہش کی اس طرح کا سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل فرمادی۔

تو صدقہ جو ہے، ان پر حق فقیروں کا ہے، کیونکہ ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا یہ ان کے لئے ہے۔ جب یہ آیت ۲، ۳، ۴ نازل ہوئی کہ وہ لوگ اپنے کو دنیا سے روک کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ ایسے لوگوں کو جنہوں نے صدقات و خیرات دیئے ان کی اور جن کی تصدیق کے لئے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے صحابہ صفہ کے پاس دن کے وقت بہت سارے دینار بھیجے اور حضرت علیؑ نے چھ (۶) من کھجوریں بھیجیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسرا واقعہ اس کا شانِ نزول بتایا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے چالیس ہزار (۴۰،۰۰۰) دینار خیرات کئے۔ دس (۱۰) ہزار دن میں،

دس (۱۰) ہزار رات میں ؛ دس (۱۰) ہزار ظاہری اور دس (۱۰) ہزار پوشیدہ صدقہ کیا۔ اس طرح چالیس (۴۰) ہزار دینار ہو گئے۔ جو آپ نے صدقہ کئے۔ اس وقت یہ آیت اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصدیق فرمائی کہ : الذین ینفقون۔۔۔۔۔ علانیۃ : ان چاروں صورتوں میں۔ ایک بار ایسا ہوا کہ دنیاوی ساز و سامان کے حساب سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہت ہی غریب تھے۔ اور اللہ کی شان دیکھئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پرورش فرمائی، اور اپنی سب سے زیادہ پیاری بیٹی کا نکاح ان کے ساتھ کیا۔ حالانکہ ان کے پاس کچھ ساز و سامان بھی نہیں تھا۔

اے عزیزانِ محترم اس آیت مبارکہ کی ایک حکمت یہ بھی ہے۔ اس میں ہمیں یہ تاویل دی جاتی ہے کہ زکوٰۃ صدقات اور خیرات یہ ہر وقت کرتے رہنا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ ہم پہلی رمضان کا انتظار کریں۔ آپ پہلی رمضان کو حساب کریں کہ آپ نے پورے سال میں کتنے صدقات و خیرات کئے۔ غریبوں اور مساکین کی ضروریات پورے سال ہوتی رہتی ہے۔ تو آپ یہ کریں کہ خرچ کرتے رہیں، اللہ کی راہ میں، دن کو، رات کو پوشیدہ طور پر اعلانیہ طور پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ان لوگوں کو بھی جو سوال کرتے ہیں، اور ان لوگوں کو بھی جو سوال نہیں کرتے، وہ آپ کو پتالگانا ہوتا ہے کہ وہ کون اور کیسے لوگ ہیں؟ اور پھر جب پہلی رمضان آئے تو آپ حساب کر لیں۔ اگر آپ نے زیادہ دے دیا ہے تو

آپ کو شرعی طور پر اجازت ہے کہ آپ اگلے سال کی زکوٰۃ میں اس کو
 چکٹا (برابر) کر لیں، اگر کم دیا ہے تو اس کو پورا کر لیں۔ زکوٰۃ اور صدقات
 کا ایسا عمل ہے جو نماز کی طرح سے روز بروز ہوتا رہنا چاہیے۔ کبھی تو
 انسان کو ایک چٹو پانی پلا دیتے ہیں جس سے اس کی جان بچ جاتی ہے۔
 تو اے عزیزانِ محترم! تیسرا اصول یہ ہے کہ نیکی ہمیشہ اور پابندی
 سے کرنا چاہیے۔ اور بہت ساری حدیثیں ہیں اور بزرگان کے اقوال ہیں
 ہیں جو عمل دائمی آپ کریں ہمیشہ کرتے رہیں جس چیز کو وہ چاہے تھوڑا
 ہی عمل کیوں نہ ہو وظائف اور ادچاہے تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں پابندی
 سے کریں تو اس کا آپ کو فائدہ ہے اور آپ نے کسی دن کچھ نہیں پڑھا
 اور کس دن بہت زیادہ پڑھ لیا اس کا فائدہ کم ہوتا ہے۔ ثواب تو میل
 جائے گا، لیکن باطنی فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب آپ کسی خاص
 مقام پر پڑھیں۔ تو نیکی ہمیشہ پابندی سے کرنی چاہیے۔ دائمی عمل خواہ
 تھوڑا ہی ہو بہت اچھا ہوتا ہے۔ چوتھا اصول یہ ہوا کہ ہر حال میں نیکی
 کرے چاہے غصے میں ہو۔ یہ نہ ہو کہ غصے میں نیکی بند کر دے۔ کسی سے
 ناراض ہو جائے اور اس کے ساتھ حسن سلوک بند کر دے۔ تو غصے میں،
 خوشی میں، رنج میں، راحت میں، تکلیف میں، خلوت میں، جلوت میں،
 ہر صورت میں نیکی کرنا چاہیے اور ایک اصول یہ ہے کہ خفیہ خیرات اعلانیہ
 سے بہتر ہے اس لئے کہ آپ جس کو دیتے ہیں خفیہ طور پر دوسروں کو

نہیں پتہ لگتا اس میں اس کا بڑا مقام رہتا ہے۔ اس کی عزت نفس قائم
 رہتی ہے۔ اور نیکی کا صلہ ضرور ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے:
 فلهم اجرهم عند ربهم : اللہ تعالیٰ کی تعریف جو ہم ہر دعا میں
 کرتے ہیں۔ : انك لا تخلف الميعاد : آپ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔
 تو صدقات کا ثواب روز قیامت ضرور ملے گا۔ کفار و مشرکین جو صدقات
 و خیرات کریں گے ان کا اجر ان کو اس دنیا میں ملے گا۔ آخرت میں سارا
 اجر جو ہے وہ صرف مومنین کے لئے ہے باغیوں کے لئے نہیں ہے۔
 آخرت جو ہے وفاداروں کی دنیا ہے۔ جنت اور جزا اور انعام وفاداروں
 کے لئے ہے باغیوں کے لئے نہیں ہے۔ کفار اور مشرکین اللہ کے
 باغی ہیں وہ اس کا حکم نہیں مانتے، حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، تو
 ایسے لوگوں کے لئے آخرت کا ثواب نہیں۔

ایک اور اصول یہ ہوا کہ جو سخی لوگ ہیں جو دوسخا کرتے ہیں۔ وہ
 انشاء اللہ اولیاء اللہ کے زمرے میں شامل ہوں گے۔ ایک اور اصول یہ
 ہے کہ سخاوت میں عافیت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ،
 صدقات و خیرات کے متعلق جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات ہیں اس
 سے زیادہ کرو اس لئے کہ صدقات و خیرات کی جب آیات آئیں تو اس
 کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ہی جلدی وصال ہو گیا۔ تو صدقات و
 خیرات پر اتنی تفصیلی احکامات نہیں ہیں جتنا کہ زکوٰۃ کے متعلق تھا۔ تو

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نا اُمیدی گناہ ہے۔ اور بخل نفاق کا حصہ ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاکید ہے کہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرو۔ حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو انسان خود سے نہیں کرتا، اس کام کو اس کی ذات سے منسوب نہیں کیا جاتا۔ اس کے نفس سے منسوب نہیں کیا جاتا۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنے مُرید سے کہا کہ: دریا کے اُس پار ایک درویش ملیں گے تم تم اس کو یہ کھیر جا کر کھلا کر کے آؤ۔ تو انہوں نے کہا کہ حضور دریا میں بہت طغیانی ہے میں کس طرح دریا پار کروں۔ تو آپ نے کہا کہ: تم اُس سے کہہ دینا کہ تمہیں ایک ایسے درویش نے بھیجا ہے جو کبھی اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا۔ اُس کے دل میں شک و شبہات ہوئے کہ حضرت محبوب الہی کے ہاں اولاد بھی ہے اور انہوں نے کہا دیا ہے کہ مجھے ایسے آدمی نے بھیجا ہے کیا بات ہے؟

بہر حال انہوں نے کہا کہ میں گیا اور دریا طغیانی میں تھا اور میں نے یوں ہی کہہ دیا کہ مجھے ایک ایسے فقیر نے بھیجا ہے جو کبھی اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا۔ تو دریا نے ان کو راستہ دے دیا اور وہ دریا پار کر گئے۔ اور ان درویش کو انہوں نے وہ کھیر کھلا دی، انہوں نے کہا کہ: حضور اس وقت تو میں محبوب الہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق مجھے یہ کہا اور دریا

نے راستہ دے دیا، انہوں نے کہا کہ اب بچا کے کہہ دینا کہ میں
 ایک ایسے درویش کے پاس سے آیا ہوں جس نے کبھی کھانے
 کو منہ نہیں لگایا۔ انہوں نے کہا کہ میں ابھی کھیر کھلا کے آرہا ہوں
 اور انہوں نے آکر یہ کہا کہ میں ایک ایسے فقیر کے پاس سے آرہا
 ہوں جس نے کبھی کسی کھانے کو منہ نہیں لگایا، تو دریا الگ ہو گیا
 اور یہ چلے آئے جب واپس آگئے تو انہوں نے ہمت کی اور
 حضرت محبوبِ الہی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا حضور میں کر تو آیا ہوں مگر میرا
 نفس، میرا دل اور میرا وسوسہ مجھے تنگ کر رہا ہے۔ آپ کو اللہ
 نے اپنے فضل و کمال سے نوازا ہے اولاد عطا فرمائی ہے، اور
 اس درویش کو میں کھیر کھلا کر آیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جو کام تم
 اپنے نفس کی خواہش سے کرتے ہو وہ تمہارے نام لکھا جاتا ہے،
 اور جو کام تم اللہ کی رضا اور اس کے حکم سے کرتے ہو وہ تمہارے
 نام نہیں لکھا جاتا۔ اور میں تمہیں یہ گواہی دیتا ہوں کہ میں کبھی اپنی
 بیوی کے پاس اپنے نفس کی خاطر نہیں گیا سوائے اس کے کہ اللہ
 کا حکم ہوا کہ تم اس کے پاس جاؤ۔ تو میں گیا اسی طرح سے اس
 فقیر نے کبھی ایک دانہ جو ہے وہ اپنی خواہش سے نہ کھایا، اللہ
 کے توکل پر دریا کے اس پار بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے اللہ کے
 حکم سے اس کو کھیر بھیجی اور اس نے اللہ کی اطاعت میں اسکو

کھالیا یہ کھیر جو اس نے کھائی ہے وہ اس کے ذمے نہیں لگی۔ وہ اس نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی۔ تو تم اپنا کھانا پینا، اور صفا بچھونا، اپنی معاشرت، کاروبار، اپنے معمولات سب اللہ کے حکم اور اس رضا کے تابع کر لو نفس کے تابع نہ رکھو۔ تو پھر وہ کام تمہارے اعمال میں لکھے جائیں گے۔

ابھی تک تو ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵ آیت تک اخراجات کا ذکر آ رہا تھا۔ نان نفقہ کا، بیوی بچوں کے اخراجات، جو آپ کے اخراجات، زکوٰۃ، حج، صدقات اور خیرات کا۔ اب آمدنی کا ذکر آ گیا کہ اخراجات کے لئے وسائل کیسے اکٹھا ہوتے ہیں۔ اور ابھی یہ ۲۷۵، ۲۷۶ آیت ہے اور سُود کی حرمت کے متعلق ہے کہ سُود حرام ہے۔ اور یہ ایسا گناہ کبیرہ ہے کہ اللہ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے: الذین یا کلون الرباء: وہ لوگ اس میں ہو سکتا ہے کہ کفار کے متعلق ہو یا ان مسلمانوں کے متعلق ہو جو اس آیت کے حکم سے پہلے سُود کھاتے تھے۔ تو یہاں یہ تمام لوگوں کے متعلق ہے اس لئے کہ سُود کا حکم تمام لوگوں کے لئے ہے۔ اور جو سُود کھاتے ہیں یا سُود کھانے کے لئے وصول کرتے ہیں۔

قیامت کے دن کوئی پیدل بھاگتا ہوگا، کوئی سواری پہ، کوئی کسی طریقے سے۔ لیکن سُود کھانے والے اس طرح سے گرتے

پڑنے اور لڑکھڑاتے ہوئے چلیں گے، جیسے کہ کوئی جن بھوت اور شیطان اُن سے چمٹ گیا ہو اور ان کا ذہنی توازن خراب ہو، ان کو یہ نہیں پتہ کہ ہمارا قدم کدھر جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص پہچان ہے ان کی۔ اس لئے کہ قیامت کے دن کافر بھی اس طرح لڑکھڑاتے ہوئے نہیں جائیں گے۔

بعض حدیثوں میں ہے کہ ان کا پیٹ کوٹھڑی کی طرح سے بڑا ہو جائے گا۔ سارا سود ہوگا، اور وہ اس کے بوجھ کی وجہ سے گرتے پڑتے جا رہے ہوں گے۔

قالوا انما البيع مثل الرباء : انہوں نے کہا دیا کہ یہ بیع بھی تو ربا کی طرح سے ہے اس میں تو منافع آتا ہے۔ تو اللہ نے تجارت کے منافع میں اور سود میں فرق رکھا ہے کہا کہ یہ سزا قیامت کے دن اس طرح ہوگی کہ ساری مخلوق دیکھے گی کہ یہ سود کھانیوالے ہیں، اس لئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے تھے کہ سود بھی تو تجارت کی طرح سے ہے۔ اور یہ سود کھانے والے لوگ ہیں : واھل اللہ البيع : اللہ تعالیٰ نے حلال کیا تجارت کو : وحرم الرباء : اور سود کو حرام کیا۔ اب جب یہ آیت اُتری تو کچھ لوگ سود لے چکے تھے : فمن جاءه موعظة من ربه : پس جس کے پاس آگئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور اسکے بعد اس کا رد عمل

کیا ہوا : فانتھی : اور اس نے اس کو چھوڑ دیا، سو دینے سے وہ باز آگیا۔ اب وہ سو نہیں لیتا : فله ما سلف : جو گزر گیا گزر گیا۔ جو ہو گیا وہ ہو گیا اس کے لئے گزشتہ اعمال کی گزشتہ جو سو دینا اور کھایا اس کی پُرسش نہیں ہوگی : وامرہ واللہ : اور اللہ کا امر اس کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے معافی دیدے۔ جس کے پاس اللہ کی وصیت آئی اس نے کہا میرے رب! تیرا حکم میرے سر آنکھوں پر، میں اب تجھے راضی رکھنے کے لئے سو نہیں لیتا تو اللہ تعالیٰ کا حکم جو ہے وہ اس کے اختیار میں ہے، ایسے لوگوں کو معافی دے دیتا ہے : ومن عاد : عاد، کسی چیز کو بار بار بار کرنا، دہرانا۔ اب اس نصیحت کے آجانے کے بعد پھر سو دے لے : فاولئك اصحاب النار : ایسے لوگ دوزخی ہیں ہمیشہ آگ میں جلنے والے ہیں : هم فيها خالدون : اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

اس آیت مبارکہ کا جس کے معنی اور تفسیر میں نے آپ کو بتائے ہیں اس کا تعلق یہ ہے کہ پہلے انفاق کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بھی فرمایا کہ اچھے مال جیسے کہ اچھے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو خراب مال خرچ نہ کرو، یہ آیت سمجھے گزر چکی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ کچھ مال ایسے ہیں کہ حرام ہیں اور اتنی شدید ان کی

حُرمت ہے کہ ان کے کرنے والے دوزخی ہیں ان کے کرنے والے قیامت کے دن لڑکھڑاتے ہوئے جائیں گے۔ اور ساری دنیا دیکھے گی کہ یہ سود خور ہیں۔ پہلے انفاق کا ذکر تھا اب آمدنی کا ذکر ہوا۔ پہلے اس مال کا ذکر ہوا جو امیروں سے غریبوں کو جاتا ہے۔ اب اس مال کا ذکر ہو رہا ہے جو امیروں سے غریبوں کو ہو رہا ہے۔ اس لئے امراء رؤساء اور عرب کا طریقہ یہ تھا کہ یہودیوں کی طرح سے وہ بھی جن کے پاس دولت اور سونا چاندی ہوتا تھا اس کو وہ غریبوں کو اُدھار دیتے تھے، قرض پر دیتے تھے جتنا دیتے تھے اس سے زیادہ لیتے تھے اور ربا کا مطلب ہے زیادتی۔ جو دے اس سے زیادہ لینا۔ اس میں آگے مثلے آئیں گے۔ بعض فقہانے یہ دیا ہے کہ جو کاغذی کرنسی (پیپر منی) ہے وہ اگر کوئی سو (۱۰۰) روپے دے کر ایک سو دس (۱۱۰) روپے لے تو یہ ربا میں شامل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ایک جیسا ہو اور اس کو تولا جاسکے۔ تو یہ دو شرطیں پوری نہیں ہوتیں، ربا میں۔ تو اب اس پرچے کا ذکر ہو رہا ہے جو رؤساء عرب غریبوں سے لیا کرتے تھے۔

پہلے خیر کا، صدقات کا ذکر تھا۔ اب ربا کا ذکر ہو رہا ہے۔ پہلے صدقات کی اللہ تعالیٰ نے توحید کی اور ربا کی تحذیر کر رہا

ہے کہ خبردار تم سود نہ لینا اس لئے کہ یہ دوزخیوں کا کام ہے، یہ اُن کا کام ہے جن سے شیطان چمٹ گیا ہے۔ رَبَّنَا، رَبِّ اے ہے۔ رب کا مطلب ہے زیادتی۔ اور اونچی جگہ کو ربوہ کہتے ہیں جو چنیوٹ کی پہاڑیوں پر ہے۔ اور خط اس شخص کو کہتے ہیں جس کی گفتار اور رفتار یکساں نہ ہو، جس کو نہ اپنی زبان پر کنٹرول ہو، نہ اپنے قدم پر کنٹرول ہو۔ اور سَرَف کا مطلب ہے گزر گیا۔ سُو د لینے والا جو ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مجرم ہے اس آیت کا خلاصہ تفسیر یہ ہے کہ سود لینے والا اللہ تعالیٰ کا بھی مجرم ہے اور انسان کا بھی مجرم ہے۔

اس آیت کے کچھ اصول مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو مثال دی ہے کہ جیسے ان سے بھوت، پریت یا شیطان چمٹ گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کبھی اس چیز کی مثال نہیں دیتا جو نہیں ہو۔ آج کل جیسے کہتے ہیں کہ یہ بیکار خیالات ہیں بھوت پریت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا حوالہ دیا ہے جن بھوت کا وجود جو ہے وہ برحق ہے اس آیت کریمہ سے پتہ چلا۔ اور دوسری بات یہ کہ جن بھوت انسان کو دیوانہ کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف ہے: چھوٹے بچوں کو سورج نکلتے اور ڈوبتے وقت باہر نہ نکالو۔ یہ وقت ہوتا ہے بھوت پریت کے جانے کا سورج نکلتے وقت اور شام مغرب کے وقت نکل کے آنے کا، جب سیر کر نیوالے لوگوں کو

پریشان کرنا تنگ کرنا۔ تو ایسے وقت میں چھوٹے بچوں کی حفاظت کرو۔ عورتوں کو بھی نہیں نکلنا چاہیے اور خود بھی بلاوجہ گھر سے رات گئے نہ نکلو اس لئے کہ یہ شیطان اور جن کے جانے کا وقت ہے۔

تیسری حدیث یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کو نہ نکالو۔ دوسرا یہ کہ رات گئے خود بھی نہ نکلو اور تیسرا یہ کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی حدیث ہے کہ بحالتِ سفر بیچ راستے پر نہ اُترو، کیونکہ یہ شیطان کی گزرگاہ ہوتی ہے۔ اور چوتھی بات یہ کہ امراضِ طاعون وغیرہ یہ جنات کے اثر سے ہیں۔ شیطان کے اثر سے ہیں اسی لئے اذان دی جاتی ہے اس سے افاقہ ہوتا ہے۔ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت شیطان اس کی کوکھ میں کہنی مارتا ہے اور اس وجہ سے بچہ روتا ہے، اسی لئے مسلمان بچے کے پیدا ہونے کے ساتھ اس کے کان میں اذان دیتے ہیں تاکہ اسکا اثر زائل ہو جائے۔ سوائے حضرت عیسیٰ، اور مریم علیہم السلام کے۔ ان کو شیطان کوکھ میں نہیں مار سکا۔ پھر چھٹا حکم یہ ہے حضورِ اکرم ﷺ کی حدیث کا کہ سوراخ میں پیشاب نہ کرو اس میں ممکن ہے سانپ، بچھو ہوں۔ تیسرا فائدہ یہ ہوا اس اصول کا کہ سود لینا گناہِ کبیرہ ہے، حرامِ قطعی ہے اور سود لینے والا بھی فاسق ہے اس کو حلال جاننے والا بھی کافر ہے۔ اور چوتھا اس کا اصول یہ ہوا

کہ سود لینے کی سزا گناہ کبیرہ سے زیادہ ہے۔ کفر اور شرک گناہ کبیرہ ہے۔ قیامت کے دن وہ بھی سنبھل کر چلیں گے۔ لیکن سود لینے والے لڑکھڑاتے ہوئے چلیں گے، قیامت کے دن۔ اور سود خور واقعی گرتا پڑتا چلے گا اس لئے کہ حدیث کے مطابق اسکا پیٹ ایک کوٹھڑی کی طرح ہوگا جس کے بوجھ سے وہ لڑکھڑاتا رہے گا۔ اور چھٹا اصول یہ ہے کہ ممانعت سے پہلے کے جرم معاف ہیں۔ ساتواں اصول یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر مجرم چہرے سے جان لیا جائے گا، جیسا کہ سود خور کا پتہ لگ جائیگا۔ اس سلسلے میں کچھ مسئلے ہیں۔ اُس کے فکری مسائل ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مسائل شریعہ میں بے علمی عذر نہیں ہے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھے پتہ نہیں تھا۔ دین کو حاصل کرنا، اس کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس کی ہمیں چھوٹ نہیں ملے گی کہ ہمیں پتہ نہیں تھا نادانی میں ہو گیا۔ اور دوسری بات یہ کہ سود کا پیسہ اگر آپ کے قبضے میں بھی ہو تو بھی وہ شرعاً آپ کی ملکیت نہیں ہے۔ اسی لئے تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو مقروض ہے اگر اس میں استطاعت ہو تو سود کا پیسہ قرض والوں سے زبردستی چھین سکتا ہے۔ اس پر کوئی شرعی حد نافذ نہیں ہوگی اگر خدا نخواستہ میں نے کسی سے سود لے لیا ہے اور اس کا بس چلے تو مجھ سے

چھین کر واپس لے سکتا ہے اس کو شرعاً کوئی سزا نہیں ہوگی۔ بہت ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ سودی نظام سے افراطِ زر ہوتا ہے۔ اسلام میں یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو پیسہ دیں تو شراکت داری کے طور پر۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ روپے کی کاشت جو ہوتی ہے، مالی لاگت جو ہوتی ہے وہ قیمت کا حصہ نہیں بنتی۔

سود اس میں بہت ساری خرابیاں ہیں اس کی چند مثالیں ہیں کہ سود میں ہم دوسروں کا مال بلا عوض لیتے ہیں۔ یہ ظلم ہے۔ اللہ نے اس کو اس لئے حرام کیا ہے کہ ہم اس میں دوسروں کا مال بلا عوض لے لیتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ سود سے تجارت بند ہونے کا خدشہ ہے۔ جب سود پر منافع زیادہ ہوگا۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ Intrest کا سسٹم جو ہے وہ اس سے اشیاء میں

پیداوار میں کم ہو جاتا ہے اور مال سرمایہ کاری بڑھ جاتی ہے جس سے پیسہ گردش کرتا رہتا ہے اور اس سے پروڈکشن نہیں ہوتی۔ لوگ اپنے پیسے خاص طور پر سٹیفکیٹس میں لگاتے ہیں۔ ان کو نفع ملتا رہتا ہے، اور گورنمنٹ اس کو اپنے اخراجات میں خرچ کرتی رہتی ہے۔ اگر وہ پیسہ کاروبار میں لگے تو اس سے ملک میں روزگار پیدا ہوگا۔ اور بہت سا منافع ہوگا۔ سود جو ہے وہ پرانی محبت کا قاتل ہے۔ سود لینے والا شقی القلب ہو جاتا ہے اور دوسرا پریشان

حال ہے اور یہ پیسے وصول کر رہا ہے اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنی بیوی
 بچوں کے ساتھ بھی ظلم کرنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ پیسے کو بچا بچا کے
 رکھتا ہے کہ سود پر پیسے دیں گے اور ان کا نان نفقہ کم دیتا ہے۔
 عام طور پر پیسے والے لوگ نجیل ہوتے ہیں۔
 اللہ ہمیں ان تمام برائیوں سے بچائے۔

وانحرذ اعوننا ان الحمد لله رب العالمين



يَا رَّةَ تِلْكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَات نمبر: ۲۴۶ - تا ۲۴۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبَا وَيُرِي الصِّدْقِ
وَاللّٰهُ لَا يَحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۴۶﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَتَوْا الزَّكٰوةَ لَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۴۷﴾ يَا أَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذُرُوْا مَا بَقِيَ
مِنَ الرِّبَا اِنَّ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

اللہ بھلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات

کو۔ اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکر بڑا
گنہگار ○ بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے
کام کئے اور نماز قائم کی، اور زکوٰۃ دی، ان کا
نیگ ان کے رب کے پاس ہے۔ اور نہ
انہیں کچھ اندیشہ ہو، نہ کچھ غم ○ اے ایمان
والو اللہ سے ڈرو اور پھوڑ دو جو باقی رہ گیا
ہے سُود، اگر تم مسلمان ہو ○

پچھلی آیات میں سُود کی ممانعت تھی اور شراب کی تردید
کی گئی تھی اب سُود کی بُرائی بیان کی جا رہی ہے۔ یہ سُود بھی
شراب کی طرح گناہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بار بار نہ صرف یہ کہ سُود
کی بُرائی بیان کر رہا ہے بلکہ صدقات کی خوبیاں بھی بیان کر
رہا ہے، اور سُود کی خرابیاں بیان کر رہا ہے اور نیکی کی ترغیب
دے رہا ہے تاکہ نفس سُود کی خرابی سے آگاہ ہو اور وہ اسکی
طرف راغب نہ ہو سکے۔

یسحق: جیسے میں نے کہا تھا کہ پورا ہو کر کم ہو جانا،
جس کی مثال ہے "چاند"۔ جس طرح چاند چھوٹا ہوتا ہوتا
غائب ہو جاتا ہے، اسی طرح سے اللہ فرماتا ہے کہ سُود کا

پیسہ بھی کسی کے پاس ٹھہرتا نہیں یہ اسی طرح سے غائب ہو جاتا ہے۔ تو یسحق : اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتا اور مٹاتا ہے۔ اور تمام سود کو آخرت میں مٹا دیتا ہے۔ اس لئے کہ سود کے پیسے سے آپ نے جو خیرات، صدقات اور زکوٰۃ کی یا جو بھی نیکی کا کام کیا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی وہ سب باطل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ آخرت کو بھی مٹا دیتا ہے دنیا میں بھی بے برکتی ہوتی ہے۔ اور آخرت میں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا وہ مٹ جاتا ہے۔ تو: یربى الصدقات : کا مطلب یربى۔ ربی سے ہے بڑھنا اونچا ہونا۔ بلند ہونا، اس کا مطلب دُنیوی برکت اور اضافہ۔

اور یہ جو ہے یربى الصدقات کی تفسیر میں ایک حدیثِ پاک ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ مومنوں کے صدقات کی ایسی پرورش فرماتا ہے کہ جیسے تم گائے یا گھوڑے کی پرورش کرتے ہو، ان کے بچے پالتے ہو، یہ بڑے ہوتے ہیں پھر ان کے بچے ہوتے ہیں پھر ان کے بچوں کے بچے ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک گھوڑی یا ایک گائے سے پورا اصطلیل اور پورا فارم بھر جاتا ہے۔ تو اس طرح سے اللہ تعالیٰ صدقات میں ایسی برکت دیتا ہے۔ اسی

طرح بڑھاتا ہے جس طرح تم گھوڑی یا گائے پال کر کے اپنے
جالوروں اور مویشیوں کا گلہ بڑھاتے ہو۔“

دوسری ایک حدیث یہ کہ: قیامت کے دن مومن کے
ایک پیسے کا صدقہ بھی پہاڑ بن کے اُٹھے گا۔ یہاں جو: واللہ
لا یحب کل کفار اثیمہ: جیسے غفار ہے اس کا الٹا جبار ہے۔
مطلب جوش و خروش کے ساتھ زور و شور کیساتھ معافیاں
دینا وہ غفاری ہے۔ کفاری میں، کفار کا مطلب، کفر انکار کو
کہتے ہیں اور زور و شور کے ساتھ ناشکری ہے، اور: لا یحب
کل کفار اثیمہ: اور محبت کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا
اس لئے فرمایا: لا یحب۔

ان دو آیات کی مختصراً تفسیر کیا ہوگی؟ یہ کہ اللہ تعالیٰ
دنیا میں سودی مال کو برباد کر دیتا ہے اور جس مال سے زکوٰۃ
نکالی جائے، اُسے بڑھا دیتا ہے۔ کیونکہ اکثر سود خور کا انجام آخر
میں یہ ہوتا ہے کہ اُنکا دیوالیہ نکل جاتا ہے۔ اور سود سے لوگ تباہ ہو
جاتے ہیں، اِس لئے سود خوروں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور اسکا عمل بھی برباد
ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو سخی ہے اس کے مال میں اللہ
نے بہت برکت دے رکھی ہے۔ اور جس مومن نے بقدر طاقت
صدقات دیئے جو برکت ہے وہ دنیا میں آپ کو بل جاتی ہے۔

وہ ایک طرح کا کرم بالائے برکت ہوتی ہے۔

ان آیات سے کچھ اصول بنتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ حلال میں برکت ہے۔ اور سود اور صدقات کی حلال اور حرام کی معمولی مثال یہ ہے کہ بکری ایک یا دو بچے دے دونوں بچے حلال ہوتے ہیں، اس کو آپ پال سکتے ہیں، اس کو ذبح کر کے کھا سکتے ہیں، اس کو اللہ کی راہ میں صدقے میں دے سکتے ہیں۔ ایک کُتیا سال میں چھ (۶) بچے دیتی ہے اس کا ایک بچہ بھی حلال نہیں ہے، ایک بچہ بھی اس کا صدقات میں نہیں دیا جاسکتا۔ کسی نیک کام میں نہیں خرچ کیا جاسکتا۔ تو یہ مثال ہے ایک بکری اور کُتیا کی حلال اور حرام کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی سُنّت یہ ہے کہ جن چیزوں میں نفع کم ہے اور نقصان زیادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے منع کر دیتا ہے۔ جیسے آگے آئے گا کہ شراب اور جُتے میں کچھ فائدے بھی ہیں۔ پچھٹے (۶) پارے میں اللہ فرماتا ہے کہ : شراب اور جُتے میں کچھ فائدے بھی ہیں لیکن اس کے نقصانات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اسی طرح سے سود میں کچھ فوری فائدے ہیں لیکن اس سے نقصانات سو دینے والوں کو اور دینے والے کو اور معیشت کو بے تحاشا نقصانات ہیں تو اسلئے

اللہ تعالیٰ اس کو منع کر دیتا ہے تو ایک اصول یہ بنا کہ جس چیز میں نفع کم اور نقصان زیادہ ہے، اسے شریعت منع کر دیتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ مومن کے لئے خاص طور پر یہ تحذیر ہے کہ وہ سود سے کبھی مالدار نہیں ہو سکتا۔ اور صدقات سے کبھی غریب نہیں ہو سکتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ کامیابی کے لئے ایمان اور اعمال دونوں ضروری ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری باتیں ایمان والوں کو بتائی ہیں۔ اللہ نے فرمایا : ان الذین امنوا : جو لوگ ایمان لائے : و عملوا الصالحات : اگر ایمان نہیں لائے اور عمل اچھا کیا عبادات بھی کیں صدقات بھی دیئے ان میں سے کوئی بھی چیز اور نہیں جائیگی اسکی کسی بھی چیز کا اجر اللہ کے پاس نہیں ہوگا اس کی برکت اور اس کا اجر دنیا میں شاید کچھ مل جائے لیکن اللہ کے پاس اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔ تو یہ جو دوسری آیت نمبر ۲۷ ہے اس میں اللہ نے فرمایا : ان اللہ الذین امنوا و عملوا الصالحات : جو لوگ ایمان لائے اور اچھا عمل کیا نماز قائم کی زکوٰۃ دی ان لوگوں کیلئے ان کا اجر اللہ کے پاس ہے۔ تو دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لئے ایمان اور اعمال دونوں ضروری ہیں۔ ایمان ہو اور اعمال نہ

ہوں تو انسان فاسق و فاجر ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے جسم بغیر
روح کے ہو۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کیلئے عمل کا اجر قیامت
کے دن ملے گا اللہ تعالیٰ کے پاس۔ عمل کی برکات رب کا
فضل جو ہے وہ دنیا میں ہے لیکن ان اعمال کا اجر قیامت کے
دن ہے۔ اگر دنیا میں آپ پر اللہ کا بے انتہا کرم ہو تو وہاں
آپ کے اجر کم نہیں ہوں گے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی سخاوت جو
حرم کا مظہر ہے۔ اعمال، ایمان میں داخل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ
انتہائی فاسق اور گنہگار انسان بھی مومن ہو سکتا ہے، اسکو گناہ کی
سزا ملے گی لیکن اس سے اسکا ایمان نہیں ختم ہوتا۔ اس
طریقے سے بالکل ایسے ہی جیسے کہ کافر کے کتنے ہی بہتر اعمال
ہوں، لیکن اگر اس کا ایمان نہیں ہے تو اس کے عمل بیکار ہیں۔
تو ایمان کا اللہ نے اتنا بلند درجہ رکھا ہے، ایمان کا مطلب
ہے اللہ کی حاکمیت کو ماننا۔ کہ چاہے کتنی خطا ہو لیکن اللہ پر
ایمان ہے تو پھر گنجائش ہے توبہ اور معافی کی، آخری سانس
تک۔

ساتواں اصول یہ ہوا کہ نماز روزہ اور عبادات، افضل
عبادات ہیں۔ اس لئے اللہ نے نیکیوں کے بعد صدقات کی

ترغیب کے بعد ان اعمال کا ذکر اس آیت کریمہ میں ۲۴۴، ۲۴۵ آیت میں فرماتا ہے۔ ان سے دوسرے اعمال درست ہو جاتے ہیں۔ جب انسان پابندی سے نماز پڑھتا ہے، اس کو قائم رکھتا ہے، روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، صدقات و خیرات دیتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کا نفس اس کے قابو میں آ جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے اسکے دوسرے معاملات بھی درست ہو جاتے ہیں، اسکی ایمانداری کا درجہ بھی سب بہتر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اگلی آیت بھی سُود ہی کے متعلق ہے۔ اب جب اللہ نے اس ۲۴۵ ویں آیت میں یہ بتایا کہ جب یہ تمہیں نصیحت آگئی، پیغام آگیا کہ سُود نہ لو اور تم نے توبہ کر لی تو جو کچھ تم اس سے پہلے کر چکے ہو وہ معاف ہو گئے ہیں۔ اور سُود حرام کر دیا گیا۔ اب اس میں دو صورتیں سامنے آئیں شبہ کی۔ ایک تو یہ ہے کہ کیا پچھلے سُودی قرضے جو ہیں اس کا اگر گناہ معاف ہو گیا تو کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ پچھلے جو سُودی قرضے دیئے ہیں اس پر سُود لیتے رہیں، نئے والوں پر سُود حرام ہو گیا۔ دوسرا شبہ یہ ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ پچھلے قرضے پر جو سود لے چکے ہیں وہ اس کے اصل سے زیادہ ہے، تو اصل بھی اس کا چلا گیا تو دو متضاد اشکال اس میں پیدا ہوئیں۔

تو اللہ تعالیٰ تہدایت بہت ہی صاف صاف دیتا ہے۔ تو
 اللہ نے ان دونوں کی وضاحت اگلی آیت میں کر دی ہے اسلئے
 کہ جب ایسا ہوا تو کچھ لوگ جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے،
 تازہ تازہ تو انہوں نے کہا کہ ایک تو قرآن پاک میں لکھا ہوا ہے
 کہ جو پچھلے قرضے ہیں وہ تو اللہ نے معاف کر دیئے۔ پچھلے
 قرضے جو ہیں ہم ان پر سود لیں گے۔ کچھ نے کہا کہ آپ نے
 جو قرضہ دیا تھا آپ نے تو مجھ سے سود اصل سے زیادہ لے لیا
 ہے، میں تو آپ کا اصل بھی نہیں واپس کرتا۔ تو ان دونوں
 صورتوں میں وضاحت کے لئے اگلی آیت جو ہے وہ نازل ہوئی
 اللہ فرماتا ہے : **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ
 الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ** ۵ : اللہ نے پہلے اپنے پیار کا رشتہ
 جو ہے اس کا واسطہ دیا۔ یہاں ایمان کا دو جگہ ذکر آیا ہے پہلے
 تو اللہ نے سارے مومنین کو مخاطب کیا ہے : **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
 آمَنُوا** : کہ اے ایمان والو۔ اللہ سے ڈرو۔ تقویٰ کا مطلب ہے
 کسی چیز کو کم کرنا، ڈرنا، خوف کرنا، احتیاط کرنا، بچنا۔ تو
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا : اے ایمان والو، اے میرے حبیب ﷺ
 پر فدا ہونے والو۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والو، ان پر ایمان
 رکھنے والو۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ کے احکامات کے معاملے میں

احتیاط کرو، اور کہا کرو : وذرُو : وعا مانگتے ہیں : رب لاتذرنی
 فردًا : ہمیں تو اکیلا نہ چھوڑ تو : وذرُو : کا مطلب ہے چھوڑ دو،
 اور چھوڑ دو : مابقی : جو کچھ باقی رہ گیا ہے : من الربوا :
 سُود میں سے : ان کنتم مومنین ۵ ؛ یا ایہا الذین آمنوا سے
 یہ کہنا کہ ان کنتم مومنین ۔ اس کا مطلب ہے کہ کیا تم واقعی سچے
 ہو، دوبارہ جب کہا ہے، تو ان کو واسطہ دیا کہ تم تو صاحبانِ ایمان
 ہو، اے مومنو تم یہ سود چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے تمہارے
 پُرانے قرضے پہ : مابقی من الربوا : سود میں سے جو کچھ
 باقی رہ گیا ہے : ان کنتم مومنین ۵ : اگر تمہارا ایمان سچا ہے۔
 تو دوسری طرف کہا اگر تمہارا ایمان راسخ ہے، پختہ ہے
 تو پھر اللہ کے حکم پہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے : ان کنتم
 مومنین ۵ : اگلی آیت میں لکھا ہوا ہے کہ سُود ایک واحد چیز
 ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اعلانِ جنگ کیا ہے : فان لم
 تفعلوا : اور میرے اس کہنے کے باوجود بھی اگر تم نے اس
 پر عمل کیا یا ایسا نہیں کرتے تم، تو تم سود لیتے ہو پچھلے قرضے
 پہ : فاذنوا : اذان ہوتی ہے تا آواز دینا تو سمجھ لو کہ تم کو
 پیغام پہنچ گیا ڈنکا بج گیا : فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ۶ :
 پس سمجھ لو کہ ڈنکا بج گیا ہے جنگ کا اللہ اور اس کے رسول

سے۔ یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تو وہ شریعت کے محاذ میں تم سے جہاد کریں گے۔ تو میرے رسول سے اور صحابہ کرام سے تمہاری جنگ ہو جائے گی۔ اور میرے رسول سے جو لڑا اس سے تو میری کھلی جنگ ہے۔ قیامت کے دن تو اور بھی جلال میں ہوں گا، اس دن تو کسی کی نہیں سنی جائے گی۔

اب ان لوگوں کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے کہ انہوں نے سود بہت کھا لیا اب اپنا اصل کیوں واپس کروں؟ :
وان تبتم فلکم ساء ووس اموالکم : اور اگر تم توبہ کر لو،
سود سے کہ نہیں لیتے : فلکم : پھر تمہارے لئے کیا چیز
جائز ہے : ساء ووس اموالکم : رؤس جمع ہے راس کی یعنی
سرکی۔ مطلب اصل مال زراصل۔ تو اللہ کے اس حکم کے
آجانے کے بعد کہ پچھلے قرضے کا سود نہیں لیں گے۔ جو لے
لیا ہے وہ اس کا حق ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی
معافی دے دی جو نہیں لیا ہے وہ حق ہے اس سود کے
عوض میں اس کا آئندہ کے لئے وہ سود نہیں لے گا۔ ایسے
لوگوں کے لئے جنہوں نے سود سے توبہ کر لی ہے وہ ان کو :
لا تظلمون ولا تظلمون ۵ : تم کسی پر ظلم نہ کرو سود بیکر

اور دوسرا تم پر ظلم نہ کرے تمہارا اصل مال زبردستی ہڑپ کر کے۔ اس کا تعلق کیا ہوا کہ سود کی حرمت کے بعد جو شبہات پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے دور کر دیئے کہ پچھلی آیت میں سود کی ممانعت تھی جس میں گزشتہ سود خوری قبل از توبہ معاف کی گئی۔

اس میں دو شبہ ہو سکتے تھے۔ ایک یہ کہ گزشتہ قرض پر اب بھی سود لے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت کی اور دوسرا یہ شبہ تھا کہ اگر ماضی میں اصل سے زیادہ سود لے لیا تو شاید اصل بھی واپس لینا جائز نہیں ہے۔ اس کی بھی اللہ نے وضاحت کر دی کہ باوجود سود کی حرمت کے پچھلے قرضوں کا اصل جو ہے، واجب الادا ہوگا۔

اور شان نزول جیسا کہ میں نے بتایا تھا اہل مکہ جو اکثر سود خور ہوتے تھے۔ سود پر قرضے دیا کرتے تھے۔ تجارت بھی کرتے تھے۔ سود پر قرضے اور سود پر مال دیتے تھے۔ توفیح مکہ کے بعد ایمان لائے اور چونکہ نیا نیا ایمان تھا اور بہت سارے لوگ تو قتل کئے جانے کے ڈر سے ایمان لائے ہوں گے تو خیال یہ گزرا کہ گزشتہ قرضوں پر ہم بھی سود لیں۔ اور اس طرز تنازعہ کا ایک کیس جو قبیلہ بنی ثقیف کا تھا۔

اس میں مسعود الیلیل اور ربیعہ بنی مغیرہ کو سودی قرضے دیتے تھے جب سودی کاروبار ختم ہو گیا اور یہ چاروں بھائی مسلمان بھی ہو چکے تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے بنی مغیرہ سے پھیلا سود مانگا۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم نہ دیں گے اس لئے کہ سود حرام ہے یہ معاملہ اس وقت کے عتاب بن سیر کی کچھری میں آیا اور آپ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے ہدایت مانگی، اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اس میں جو آیات ہیں ان کے لفظوں کے معنی آپ

کو بتا دیئے ہیں۔ اتقوا کا مطلب ہے ڈرنا، بچنا۔ وذرر ترک کے معنی میں ہے، ترک کر دو، چھوڑ دو، جو کچھ باقی ہے اس کو ترک کر دو۔ اور اذنوا جو ہے کان سے ہے سنا، آواز دینا۔ اس سے ہے اذان دینا۔ اور یہ اذنوا کا مطلب ہے کہ منکرین کو بتادو کہ اب اعلان جنگ ہو گیا ہے۔ ان تبتم توبہ سے اس کا مطلب ہے پوچھنا یا رجوع کرنا۔ اگر کوئی کسی ارادے سے باز آجائے تو اس کو توبہ کہتے ہیں۔ اور ماعون راس کی جمع ہے راس کا مطلب ہے سر اور مالی معاملات میں اس کا مطلب ہے: راس المال۔

اس آیت مبارکہ کی مختصراً تفسیر یہ ہے کہ بظاہر توبہ

مومن سے خطاب ہے کہ تم اللہ سے ڈرو اور اس کے عذاب سے بچو، اور اپنے مقروضوں پر اپنا جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے، ایک دم چھوڑ دو۔ یہ اخلاص ایمان کا تقاضا ہے۔ یہاں جو اللہ نے فرمایا ہے کہ: **يا ايها الذين امنوا: اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا: ان كنتم مومنين ۵: مطلب یہ کہ تمہارے ایمان میں اگر اخلاص ہے۔ دوسرا ایمان جو ہے اخلاص کے اظہار کیلئے۔** تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تمہارے ایمان کے اخلاص کا تقاضا ہے کہ تم پچھلے قرضوں پر جو سود ہے وہ بھی تم معاف کر دو۔ یہ عتاب کا تقاضا ہے اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اللہ اور رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ رسول سے جنگ اس لئے کہ وہ اور ان کے صحابہ کرام شریعت کے نفاذ کے لئے جنگ کریں گے جیسے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کسی نے اگر ایک بکری کے بچے کی بھی زکوٰۃ نہ دی تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ بہت سے لوگوں نے زکوٰۃ حکومت کو دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آج بھی بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم حکومت کو نہیں دینا چاہتے، ہم خود ہی بانٹیں گے۔ جہاں بھی نظام ہے وہاں اموال ظاہری کے اوپر حکومت کو نیا فرض ہے۔ ہماری شریعت کے مطابق۔ اگر آپ کو حکومت سے شکایت ہے تو

آپ حکومت سے محاسبہ کریں لیکن آپ اپنے اموالِ ظاہری
پر زکوٰۃ روک نہیں سکتے۔

اور اگر آپ اپنا غلط حلف نامہ دے کر زکوٰۃ رکوائیں
گے تو یہ شریعت کے خلاف ہوگا اس کا عذاب ہوگا اللہ تعالیٰ
کا۔ قیامت کے دن ہماری تمہاری لڑائی ہوگی۔ اس بد عقیدگی
سے توبہ کر لو تو تم راس المال کے اصل رقم کے حقدار ہو۔ اور یہ
فیصلہ اس لئے کیا گیا ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو گے نہ کوئی تم پر ظلم
کرے گا۔

اس کے کچھ اصول ہیں۔ ان آیات سے بنتے ہیں، ایک
یہ کہ سودِ خوری سخت گناہ ہے۔ صرف دو جرم ایسے ہیں جن پر
اللہ نے اعلانِ جنگ کیا ہوا ہے۔ ایک جو ہے سودِ خوری اور
دوسری اولیاء اللہ سے عداوت۔ دونوں صورتوں میں جنگ
کا اعلان ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ وہ یہ برداشت نہیں
کر سکتا کہ اس کے دوستوں سے کوئی عداوت کرے دوسرے
اس کو یہ برداشت نہیں ہے کہ سودِ خوری کے باعث استحصال
کا نظام دنیا میں قائم رہے اس ذبح سے اس نظام کو جو اپنی
ضد میں قائم رکھنا چاہتے ہیں، ان سے اللہ نے اعلانِ جنگ
کیا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے چند لوگوں پر لعنت فرمائی ہے

اور وہ یہ لوگ ہی سود لینے والا اور سود دینے والا۔ سود لکھنے والا اور سود کا گواہ بننے والا۔ Tattoo یعنی بدن پر داغ لگانے والا۔ اکثر لوگ نمبر لکھتے ہیں تصویریں بنواتے ہیں۔ ان پر لعنت ہے۔ جادو کرنے والوں پر اور زکوٰۃ نہ دینے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور طلاق منخلطہ میں حلالہ کرانے والوں کو کہ تین طلاق دے دی اور کسی سے کہہ دیا کہ شادی کر کے اس کو طلاق دے دو، میں شادی کر لوں، اگر حلالہ کا لفظ اسکی زبان سے ادا ہو گیا ہے کہ یہ نکاح تم حلالہ کے لئے کرو تو اس پر بھی آپ کی لعنت ہے۔ اور مرتد اور ماں باپ کا نافرمان بیٹا۔ اور یتیم کا مال ظلماً کھانے والا۔ جاندار کا فوٹو کھینچنے والا یہ دُرّ منثور میں ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سود خوری سے قحط سالی ہوتی ہے رشوت ستانی سے عیب پیدا ہوتے ہیں اور بدکاری سے وباء پھیلتی ہے۔ دوسرا فائدہ اس کا یہ ہے کہ صحابہ کرام اور حضور اکرم ﷺ سے لڑنا اللہ سے جنگ ہے۔ اور ان سے صلح اللہ سے صلح ہے۔

ایک اور اصول یہ ہے کہ دار الحرب کے جو فاسق عقیدے ہیں۔ وہ فسق نہیں ہوں گے ان کے تحت جو کچھ ہو گیا ہے وہ Reversal نہیں ہوگا، آئندہ کے لئے وہ بند ہو جائے گا۔

اور اس کی مثال یہ ہے کہ ایک ایسے میاں بیوی ہیں جو پہلے کافر تھے، اور کفرانہ طریقے سے ان کی شادی ہوئی۔ اسلامی طریقے سے نہیں ہوئی تو یہ نہیں ہوگا کہ اسلام لانے کے بعد ان کا نکاح منسوخ ہو گیا اب دوبارہ پھر نکاح کرنا پڑیگا۔ بلکہ وہ میاں بیوی قائم رہیں گے تو اصول اللہ نے بڑا فطری بنایا ہے کہ ایک نظام سے دوسرے نظام میں تم آرہے ہو۔ کفر کے نظام سے نکل کر اسلام کے نظام میں آرہے ہو، تو جو کچھ کفر کے زمانے میں ہو گیا اس کی معافی ہے۔ اس کے بڑے اثرات جو ہیں یا اس کی تصحیح اس میں نہیں ہے۔ جس طریقے سے آپ نے شادی کی آپ دونوں کے ازدواجی رشتے حلال رہے۔ اسلام کے لانے کے بعد بھی از سر نو اسلامی طریقے سے نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی اصول تمام چیزوں پر عائد ہوتا ہے۔

میں مثال دیتا ہوں۔ شراب کی تجارت ہمارے ہاں حرام ہے۔ کسی نے اسلام سے پہلے تجارت کی اور کسی سے شراب خریدی وہ اس کے قبضے میں آگیا تو اسلام لانے کے بعد وہ اس کو استعمال کر سکتا ہے اس کو بہرہ بنا سکتا ہے اس کو تجارت میں استعمال کر سکتا ہے۔ اور اس سے مال مدد وہ

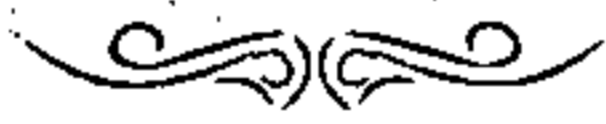
حاصل کر سکتا ہے ، لیکن اگر کسی سے تجارت کی ہے اور اس نے معاہدہ کر لیا شراب کا لیکن اس کو ابھی لیا نہیں ہے اور اسلام لے آیا تو ایسا معاہدہ جائز ہے بشرطیکہ اس کی تکمیل کے بعد کوئی اور ایسا معاہدہ نہ کرے کیونکہ اگلا معاہدہ ناجائز اور اسلام کے منافی ہوگا۔

اس کی صوفیانہ تفسیر کیا ہے ؟ کہ اس کو قرضہ دیکر کے اس سے سود نہ کھاؤ اسی طرح سے آپ کے اعضاء کا ناجائز استعمال حرام ہے آپ اپنے ہاتھ پیر سے کھائی کر سکتے ہیں حلال رزق کھا سکتے ہیں وہ بالکل آپ کے لئے حلال ہے اور اسکے ساتھ اگر چوری ڈاکہ ڈالیں ، زبان کے ساتھ : قولو للناس حسنا : لوگوں سے اچھی باتیں کرو۔ تو زبان سے اچھی بات تو حلال ہے ، زبان سے بُری بات کریں تو وہ حرام ہے۔ اسی طرح سے کان سے اچھی باتیں سنیں تو حلال ہے ، بُری بات سنیں تو حرام ہے۔ آنکھ سے پردہ اور جیا کو قائم رکھیں تو حلال چیز ہے اور اگر پردہ اور جیا ختم ہو جائے تو وہ حرام ہے تو اس کی صوفیانہ تفسیر یہ ہے کہ نہ صرف مال کا حرام استعمال حرام ہے بلکہ اعضاء بھی آپ کے اعمال ہیں یا نفس کو اپنے قلب کو حلال کاموں میں لگائیں۔ قلب کو قلبِ مطمئنہ بنائیں۔

اپنے نفس کو اپنے قلب کا تابع کریں ، اور قلب کو اللہ کی اطاعت میں دیں ، اللہ کی یاد کے تابع کریں ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اللہ کے احکام پر عمل کر سکیں صدقِ دل کے ساتھ ، اخلاصِ ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیں حرام رزق سے محفوظ فرمائے کہ اس میں کوئی برکت نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہمیں جلالِ رزق عطا فرمائے اور ہمارے رزق میں برکت عطا فرمائے ، ہمارے نیک اعمال میں برکت عطا فرمائے ۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



بَارَةٌ تِلْكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَاتٍ نَمْبِرُ ٢٤٩ - تَا - ٢٨١

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَعَلَىٰ آلِكَ وَأَصْحَابِكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ
اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ
أَمْوَالِكُمْ ۗ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٤٩﴾
وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ
مَيْسَرَةٍ ۗ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ
إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٥٠﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا
تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ تَفِي شُمَّ تَوْفِي
كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥١﴾

پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے
 رسول سے لڑائی کا، اگر تم توبہ کرو، تو اپنا اصل
 مال لے لو، نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ، نہ تمہیں
 نقصان ہو ﴿۲۴۹﴾ اور اگر قرض دار تنگی والا ہے
 تو اسے مہلت دو آسانی تک اور قرض اس
 پر بالکل چھوڑ دینا تمہارے لئے اور بھلا ہے
 اگر جالو ﴿۲۸۰﴾ اور ڈرو اس دن سے جس میں
 اللہ کی طرف پھرو گے اور ہر جان کو اس کی
 کھائی پوری بھردی جائے گی اور ان پر ظلم نہ
 ہوگا۔ ﴿۲۸۱﴾

آج ۲۴۹ تا ۲۸۱ کی تفسیر انشاء اللہ بیان کر دوں گا۔ یہ جو
 پچھلی آیات میں صدقات وغیرہ کا ذکر تھا۔ اور اس کے اخراجات
 کا ذکر تھا، اس آیت سے ایک نئی طرح کی حرام آمدنی کا بھی
 ذکر ہوا۔ اور یہ سود کی حرمت کے احکامات ہیں۔ مختصراً یہ کہ
 سود کا گناہ جو ہے کہ سود خور گناہ گاروں کا شرکافروں سے بدتر
 ہوگا۔ اس لئے کہ قیامت کے دن یہ لڑکھڑاتے ہوئے چلیں
 گے۔ ان کے پیٹ کو ٹھڑیوں کی طرح سے ہوں گے سود کے

بوجھ سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جن و شیطان ان کو چمٹ گئے ہیں، ان کے قدم لڑکھڑا رہے ہیں بالکل اسی طریقے سے خبیثی ہو کر چلیں گے۔

آپ اس بات سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ سود کھانا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اور ایسے تو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ سود ایک طرح کی تجارت ہی تو ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے پھر اللہ فرماتا ہے کہ میں ایسا رحیم و کریم رب ہوں کہ یہ میری عادت ہے کہ اسلام کے پہنے کے گناہ میں معاف کر دیا کرتا ہوں۔ تو جو کچھ گزر گیا، جب تم پر اللہ کی طرف سے نصیحت آگئی اور تم نے اس کے بعد چھوڑ دیا تو جو کچھ گزر گیا وہ معاف ہو گیا۔ لیکن اللہ کا حکم آنے کے بعد اگر کسی نے پھر بھی جاری رکھا تو پھر وہ لوگ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

پھر اللہ نے فرمایا کہ: دیکھ میری ایک عادت یہ بھی ہے کہ جن چیزوں سے انسان کو نقصان ہوتا ہے۔ میں وہ حرام کر دیتا ہوں، سود جو ہے معاشرے میں بہت ساری خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے، ترغیب دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہے: یمحق اللہ الربوا: مک کہتے ہیں جیسے: چاند کم

ہوتا رہتا ہے تو اللہ سُود کو کم کرتا رہتا ہے، سود خوار کبھی نہ کبھی
 دیوالیہ ضرور ہوتا ہے۔ پاکستان میں بھی سارے بینک دیوالیہ
 ہو گئے ہیں تو : یربی الصدقات : جب دنیا میں 2% سُود
 تھا تو بینک کا، تو 18% - 17% یا 20% - 22% تھا، اس لئے کہ وہ
 بڑھتے ہوئے اخراجات اس سے پورے کرتے تھے۔ سب ہی
 دیوالیہ ہو گئے ہیں۔ تو اللہ فرماتا ہے : یمحق اللہ الربوا دیربی
 الصدقات : اللہ سود کی آمدنی یا اس سے پیدا کئے ہوئے
 احساسات میں بے برکتی کرتا ہے اور اس کو گھٹاتا رہتا ہے
 اور جو انسان صدقات و خیرات کرتا ہے وہ بڑھتا رہتا ہے۔
 کیوں؟ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ صدقات و خیرات
 جو ہیں یہ ایک اچھا قرض ہے اللہ تعالیٰ کا، یہ واپس ملے گا،
 نئے اضافے کے ساتھ۔ تو صدقات میں اللہ نے برکت رکھی
 ہے۔ صدقہ دینے والا کبھی غریب نہیں ہوتا۔ اللہ کی راہ میں
 اور اس کی رضا میں خرچ کرنے والا کبھی بھی گھائے میں نہیں
 ہوتا۔ اور اللہ گنہگار کو، کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ پھر اللہ
 مومنین کی بہت افزائی فرماتا ہے : ان الذین امنوا و عملوا
 ولا ہم یجزون ۵ : بے شک جو لوگ، جو صاحبانِ
 ایمان ہیں نیک عمل کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ و

خیرات دیتے ہیں۔ اللہ کا یہ بہت بڑا انعام ہے اور انکی حیثیت
 ایسی ہے جیسے اولیاء اللہ کی : الا ان اولیاء اللہ یحزونہ
 تو یہاں بھی اللہ نے فرمایا ہے : ولا خوف علیہم ولا ہم یحزونون
 ایسے لوگوں کے ساتھ جو ایمان رکھتے نماز قائم کرتے ہیں ،
 صدقات و خیرات دیتے ہیں ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم ہوگا۔
 پھر بہت سے لوگ 'بنی ثقیف کے لوگ بنی مغیرہ کو طائف
 میں قرضے دیا کرتے تھے۔ تو حرمتِ سود کے بعد انہوں نے
 سمجھا کہ جو پچھلا ہے وہ تو اللہ نے معاف کر دیا ہے پچھلے قرضوں
 کا سود وصول کر سکتا ہوں۔ تو اللہ نے اگلی آیت نازل فرمادی
 یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم
 مومنین ۵ : اے صاحبانِ ایمان اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا
 سود باقی رہ گیا ہے اسے معاف کر دو۔ اللہ نے سود کی معافی
 کر دی لیکن اصل کی واپسی لازم کر دی۔ یہ نہیں ہے کہ پچھلا سود
 دیا تو اسی میں اصل بہنا ہو گیا یہ اللہ نے نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا اگر تم نہیں معاف کرو گے تو کیا ہے ؟ پھر اسلان
 جنگ ہے : فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ
 اگر تم اس پر عمل نہیں کرو گے اس حکم پر تو پھر خبردار ہو جاؤ
 تم کو اذان دے دی گئی۔ اطلاع دے دی گئی۔ اللہ اور رسول

سے جنگ کے لئے۔

جو آدمی سُود کی حرمت کے بعد بھی سُود کھاتا ہے۔ وہ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ صرف دو طبقے ایسے ہیں جن سے اللہ نے جنگ کا اعلان فرمایا ہے۔ ایک وہ جو انبیاء اور اولیاء سے دشمنی رکھتے ہیں، عداوت کرتے ہیں اور وہ جو سُود کھانے والے ہیں۔ ایک طرف اعلانِ جنگ ہے دوسری طرف یہ بھی ہے کہ : **وان تبتم فلکم ساء عوس** **اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۵** : اور اگر تم تو بہ کر لو سُود سے تو جو اصل مال ہے اس المال ہے، زہرِ اصل جو ہے وہ تمہارے لئے ہے تم اس کو واپس لے سکتے ہو۔ : **لا تظلمون ولا تظلمون ۵** : نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔ تمہارا اپنا اصل مال تم کو واپس ملے گا۔ اگر مقروض یہ کہے کہ ہم پچھلا سُود دے چکے ہیں تو سُود تو حرام ہو گیا، ناجائز آپ نے لیا تھا وہ نہیں دوں گا تو وہ ظالم ہے۔ حاکم اس کے پیسے دلوانے میں مدد کر سکتا ہے۔ یہاں تک تو قرض اور سُود کے بارے میں تھا۔ اب جو جائز قرض آپ کا واپس ملنا ہے اُس کے متعلق کچھ احکامات ہیں۔ بات یہ ہے کہ بنی ثقیف کے چار بھائی تھے جو اسلام سے قبل قرض کا کاروبار کرتے تھے۔ بعد میں فتحِ مکہ

کے بعد طائف کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ تو اس وقت یہ آیت اتری تھی۔ جب یہ اپنا زراصل لینے کے لئے گئے طائف میں بنی منیرہ والوں کے پاس تو انہوں نے کہا کہ ابھی تو ہمارے حالات درست نہیں ہیں۔ ہمارے پاس تو پیسے نہیں ہیں ہیں کچھ مہلت دو، تو اس وقت اگلی آیت نازل ہوئی : وان كان ذوعسرة فنظرة الى ميسرة۔

عُسرہ کہتے ہیں تنگی کو ہم دُعا کرتے ہیں : رب يسر ولا تعسر : اے رب ہمارے لئے آسانیاں پیدا کر ہمارے لئے تنگی نہ پیدا کر۔ عُسرت یا عُسر کا مطلب ہے تنگی، پریشانی، مشکل تو : ان كان ذوعسرة : اگر تمہارا مقروض، قرضدار جو ہے وہ کسی مشکل میں ہے یا تنگی میں ہے : فنظرة الى ميسرة : ميسرة کیا ہے؟ يسر سے ہے۔ آسانی سے ہے۔ تو ميسرة جو ہے اس کا مطلب ہے کشائش آسانی۔ فنظرة : پھر ان کو مہلت دیدو۔ جب تک وہ آسانی سے ادا نہ کر دیں۔ یہ مہلت دینا ایسے وقت کسی کو یہ کتنا ثواب ہے۔ یہ بتاؤں گا : وان تصدقوا خير لكم؛ تصدقوا۔ صدقہ کر دو، اور تم خیرات کر دو، اس کو جو کہ باقی ہے، معاف کر دو اس کو جیسے غلام کو آزاد کرتے ہیں، قرضدار کو بھی آزاد کرتے ہیں۔ تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ یاد رکھو جس

طرح سے مجبور شخص تمہارا قرض دار ہے تم بھی اللہ کے قرضدار
 ہو، تم اللہ کے بندوں کا قرض معاف کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہارا
 قرض معاف کرے گا اور تمہارے لئے آسانیاں پیدا کرے گا۔
 تو اللہ فرماتا ہے: **وَإِن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ** : اور اگر تم
 اس مسکین اور غریب کی پریشانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس
 قرض کو معاف کر دو اور خیرات کر دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے
إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۵ : اگر تم اس بات کو سمجھ لو۔ جان جاؤ۔
 اگر تم یہ جان جاؤ کہ تم بھی اللہ کے قرضدار ہو تمہیں بھی اپنا
 قرض واپس کرنا ہے، تمہاری بھی پریشانی ہوگی۔ تو تم فوراً ضرور تمند
 اور حاجتمند پر واجب الادا قرض معاف کرو گے، تاکہ اللہ بھی
 تمہارے ساتھ نرمی کا سلوک فرمائے اور اس کا قرض جو تم پر ہے
 وہ بھی معاف فرمادے۔ **وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ إِلَىٰ مِيسْرَةٍ طَوَّافًا**
تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۵ : اگر تمہیں خیر کی جستجو
 ہے، اگر تمہیں یہ پتہ ہے کہ قرضداروں کا قرض معاف کرنا یا مہلت
 دینا اللہ کو پسند ہے تو تم اپنے لئے قیامت کے دن آسانی کیلئے
 یہ نیکی کا کام کرو اور اگر تم کافروں کی طرح: **صُمُّوا بِكُمْ وَعَمَىٰ**
فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۶ : بہرے، گونگے، اندھے۔ اور یہ تصور کرنے
 لگے ہو کہ پھر اللہ کی طرف جانا ہی نہیں ہے۔ پھر اگر ایسی صورت

ہے تم تو یہودیوں نصرانیوں کی طرح سے قرض دو اور لوگوں پر ظلم کرو، تو واتقوا یوما۔

پھر اللہ فرماتا ہے : واتقوا یوما ترجعون فیہ : تم اس دن سے ڈرو۔ یہ دن دو ہو سکتے ہیں۔ تفصیل کے مطابق ایک تو وہ دن جس دن ہم دنیا سے چلے جائیں گے۔ اللہ کے حوالے ہماری جانیں جائیں گی، اور دوسرا وہ دن ہوگا یوم جزا کا دن۔ قیامت کے دن جس دن حساب کتاب ہوگا۔ تو اللہ فرماتا ہے واتقوا یوما : اس دن سے ڈرو : ترجعون فیہ : جس دن تمہیں واپس جانا ہے۔ اس دن سے ڈرو جب اللہ کے پاس جاؤ گے۔

ثم توفی کل نفس ما کسبت : توفی، کیا ہے؟ و فی سے ہے، پورا ہونا۔ ہم کہتے ہیں ایفائے عہد پورا کرنا۔ بدلہ ملنا، اجر ملنا جب اللہ کے پاس جاؤ گے تو کیا ہوگا۔ ثم توفی تمہیں پورا پورا اجر ملے گا جو کام کرو گے نیکی کا کام کرو گے، تو نیکی کا اجر ملے گا، بُرا کام کرو گے تو بُرے کام کا بدلہ ملے گا۔ کل نفس : ہر شخص کو، اور کس حساب سے ملے گا؟ : ما کسبت : جو کچھ کمایا یہاں پر۔ تو اللہ فرماتا ہے یہ تاکید کرنے کے بعد کہ مہلت دے دو، ہو سکے تو معاف کر دو۔ یہ تمہارے لئے

بہتر ہے۔ پھر فرماتا ہے : **وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ :**
 اس دن سے ڈرو جس دن واپس لوٹو گے ، اللہ کے پاس تمہارا
 حساب کتاب ہوگا اللہ تم سے اپنا قرض مانگے گا ہم نے جو تم
 پر رحمتیں کی ہیں ، وہ واپس کر دو۔ اگر تم نے ہمیں رت نہیں مانا
 ہمارے احکام نہیں مانے ہماری عبادت نہیں کی ، ہمارے سامنے
 سر تسلیم خم نہ کیا اس لئے وہ دن کون سا ہوگا ؟ جس دن ہر
 جان کو پورا پورا صلہ ملے گا بدلہ ملے گا جو کچھ اس دنیا میں کمایا
 ہے : **وَهُمْ لَا يظلمون ۝** اور اس پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ جرائم کے معاملے میں ، گناہ کے معاملے میں انصاف
 فرماتا ہے اور نیکی اور حسنات کے معاملے میں سخاوت فرماتا ہے ایک
 کے دس دیتا ہے ، زیادہ دیتا ہے اور میں ابھی بتاؤں گا کہ قرض
 معاف کرنا یا مہلت دینے کا کتنا ثواب ہے :- اگر آپ نے سو
 (۱۰۰) روپے کسی کو قرض دیئے اور ایک ماہ کی اس کو مہلت دی
 اس کی پریشانیوں کا لحاظ کرتے ہوئے ، تو ہر روز سو (۱۰۰) روپے
 خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور کسی قرض خواہ کو محتاج کو قرض
 دے دیا کسی کا قرض معاف کر دیا تو اس کا صدقات سے کئی
 گنا زیادہ ثواب ملتا ہے کیوں ؟ صدقات تو ضرورت مند کو دیئے
 ہیں کہ جی ہم محتاج ہیں ، دن میں بہت سارے آتے ہیں جو

پیشہ ور فقیر ہیں، لیکن عموماً قرض مانگنے والا جس کو آپ کرتے ہیں، ان میں سے اکثر حاجت مند ہوتے ہیں۔ تو حاجتمند کے ساتھ سلوک کرنے کا اللہ نے زیادہ ثواب رکھا ہے۔ صدقات سے بھی زیادہ۔

تو یہ دو آیات کا تعلق کچھلی آیات سے یہ ہے کہ کچھلی آیات میں مقروض کو سود میں چھوٹ دی گئی تھی، اب اللہ ان آیات کے ذریعے ذرا اصل میں مہلت یا اس کی معافی کے متعلق احکامات ہیں، پہلے عام مقروضوں کے بارے میں احکامات تھے، اب ان لوگوں کے جن میں سکت نہیں ہے صلاحیت نہیں ہے، قرض واپس کرنے کی۔ جو دیوالیہ ہو گئے ہیں۔ ان کے لئے احکامات ہیں۔ پہلے عام صدقات کا ذکر تھا اب اس خاص صدقے کا ذکر ہے جس کا اللہ کے ہاں بہت اجر ہے۔ یعنی کہ محتاجوں پر قرض کو معاف کرنا ضرورت مند اور پریشان حال لوگوں کا قرض معاف کرنا۔ جیسے کہ میں نے عرض کیا تھا، بنی ثقیف کے چار (۴) بھائیوں نے بنی مغیرہ کو قرض دیا تھا تو جب انہوں نے قرض مانگا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں مہلت چاہیے، تو اس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ پر یہ آیات نازل ہوئیں جس میں واضح کر دیا گیا کہ کوئی حاجتمند یا پریشان

حال ہو تو اس کو قرض میں مہلت دینا واجب ہے۔ اور معاف کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ پہلی اذان غور سے سنو اس کے بعد ہوتی رہی تو پھر آپ اپنا کام جاری رکھ سکتے ہیں اس لئے کہ آپ نے نماز کا پیغام سن لیا۔ ان دو آیات کا مختصراً خلاصہ جو ہے تفسیر کا یہ ہے کہ اگر مقروض تنگدست ہو اور وعدہ پر قرض ادا نہ کر سکے تو اسے مہلت دے دو، تاکہ جب اسکو گنجائش ہو جائے تو وہ قرض ادا کر دے۔ اگر وہ فقراء اور مساکین میں سے ہے تو قرض کو بالکل معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر تم کسی محتاج اور مسکین کو اپنے قرض سے آزاد کرو گے تو اللہ آپ کو اپنے قرض سے آزاد فرمائے گا۔ اور تمہیں اس بات کی خبر ہو کہ یہ عمل اللہ کے ہاں کتنا پسندیدہ ہے تو تم ضرور ایسا کرو گے۔ اس لئے کہ تم بھی کسی کے مقروض ہو۔ لہذا تم اپنی پیشی سے ڈرتے رہو۔

کیا اللہ نے فرمایا : **وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ :**

اس دن سے ڈرو جس دن تمہیں واپس لوٹنا ہے۔ تو تم ڈرو۔ جس دن تمہاری بھی پیشی اللہ کے سامنے ہوگی، بعض اس کی کہ یہ کب نازل ہوئی؟ اس کے متعلق بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے وصال مبارک سے تیس (۳۰) دن پہلے

نازل ہوئی، بعض کا خیال ہے سات (۷) دن اور کچھ کا خیال کہ صرف تین (۳) گھنٹے پہلے وصال سے، اور کلام پاک جو ہے قریب قریب مکمل ہو چکا تھا، اور میرا خیال ہے کہ یہ آخری آیت تھی، لیکن حضرت جبریل علیہ السلام نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ سورہ بقرہ کی یہ ۲۸۰ آیت بنا کر کے اس کو اس جگہ پہ داخل کیا جائے۔ تو آپ یہ دیکھیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحے تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مشکلیں اور مسئلے حل کرنے کیلئے ہدایت جاری کرتا رہا ہے۔

اب قرض دینا تو اچھی بات ہے لیکن قرض لینا بہت بُری بات ہے، اسلام میں۔ اور اس میں کچھ احکامات ہیں۔ بلا ضرورت قرض لینا بہت ہی بُرا عمل ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُس غریب مقروض کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے، جس نے اپنے قرض کو ادا کرنے کے لئے مال نہیں چھوڑا۔ اور دوسرے مسلمانوں سے فرمادیتے تھے کہ تم جاؤ تم نماز پڑھا دو آپ تشریف نہیں لے جاتے تھے اتنا ناپسند فرماتے تھے نادھند کو۔ اس لئے کہ سارا اعتبار اور معاشی نظام جو ہے غبن اور خیانت سے خراب ہوتا ہے، تو یہ قرض کی لین دین اتنی ناپسندیدہ چیز ہے شریعت میں کہ: سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انکا نماز جنازہ پڑھانے سے بھی اجتناب

فرماتے تھے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ:
”شہید کی شہادت کے بعد سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے،
سوائے قرض کے، کہ وہ جو چھوڑ گیا ہے اور جس کے لئے وسائل
نہیں چھوڑ کر گیا۔“ اتنا سخت اس کا حکم ہے۔ تیسری بات یہ کہ
قرض لینے میں نیک نیتی ہونا چاہیے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا
کہ: ”جو اس نیت سے قرض لے گا کہ اسے اس کو ادا کرنا ہے
تو اللہ تعالیٰ اس پر یہ کرم کرے گا کہ اس سے اللہ تعالیٰ، اس
قرض کو ادا کرادے گا۔ اس کے وسائل اسکو عطا فرمادے گا۔
اور اگر کسی کی نیت خراب ہے کہ وہ یہ قرض لے کر اس کو ادا
نہیں کرے گا، بھاگ جائے گا، فرار ہو جائے گا، بہانے کریگا
تو پھر وہ کبھی بھی اس قرض کو ادا نہیں کر پائے گا۔ اور پھر اسکی
سزا قیامت کے دن پکڑے ہوگی۔“ یہ بخاری شریف کی حدیث
ہے۔

ایک اور حدیث ہے کہ: ”تیس (۳۰) پیسے کی نادمند
کی سات سو (۷۰۰) نمازیں قرض خواہ کو واپس کی جائیں گی، بطور
قیامت کے دن قرض ایسے ادا ہوگا۔ اگر میں نے کسی کا تین (۳)
پیسہ رکھ لیا ہے ناجائز تو اس کے بدلے سات سو (۷۰۰) نمازیں

دینا ہوں گی آپ اندازہ کریں کہ کتنے دنوں کی یہ نمازیں ہیں۔ اسی طرح سے قرض خواہ کے گناہ۔ آپ نے کسی کو قرض دیا اس نے واپس نہیں کیا دانستہ طور پر تو میرے گناہ اس کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے۔ میرے گناہوں کی سزا اسکو ملے گی۔ قرض کی نادمندگی اتنا بڑا جرم ہے کہ کوئی شخص شہید ہو جائے، دوبارہ پھر زندہ ہو جائے اور پھر اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے، سات بار بھی وہ دوبارہ زندہ ہو کر بھی دوبارہ شہید ہو اور پھر بھی اس نے اگر قرض جب تک ادا نہ کیا تو جنت میں نہیں جائے گا۔ اس لئے کہ یہ بھی حدیث ہے کہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے قرض کے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ گناہ کبائر کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان مقروض ہو کر مرے۔ یہ لوگ جو قرضے چھوڑ کر جاتے ہیں اور جائیداد اور اثاثے ہوتے ہوئے بھی قرض نہ ادا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اور یہ پاکستان میں عام ہو گیا ہے کہ قرضے لئے ہیں فیکٹری بند کر دی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم تو قرضہ نہیں ادا کر سکتے تو کاروں میں گھوم رہے ہیں، محل بنا رہے ہیں، گلبرگ میں کوٹھیاں بن رہی ہیں، لندن میں پیسے رکھ رہے ہیں لیکن بینکوں کے پیسے نہیں واپس کرتے۔

یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: ”اگر جنت میں جانا چاہتے ہو تو تین چیزوں سے بچو۔ غرور، حیانت اور قرض۔ یہ تین چیزیں جنت میں آپ کا راستہ روک دیں گی۔“ اور مقروض بعدِ وفات بھی قرض میں گرفتار رہتا ہے۔ اس کو چھٹکارا نہیں ملتا، اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو قرض ہم یہاں سے لے کر جا رہے ہیں وہ قرضِ قیامت کے دن چکانا پڑے گا۔ جہاں ایک طرف قرض لینے اور اسکو ادا نہ کرنے کی خرابیاں ہیں وہاں قرض دینے کے بھی فضائل ہیں۔ حاجت مند کو قرض دینا ثواب ہے، اور سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ: ”تین شخصوں کو اجازت ہوگی کہ جنت میں جس دروازے سے چاہیں چلے جائیں اور وہاں کئی جو نعمتیں ہوں ان کو وہ استعمال کریں۔ وہ کون سے لوگ ہیں؟ ایک تو مقتول کے وراثتِ قاتل کا خون معاف کرنے والا۔ اسلام میں خون بہا جو ہے، اس لئے کہ اس سے پشتِ در پشت کی دشمنی ختم ہو جاتی ہے۔ وہ سلسلہ قتل رُک جاتا ہے۔ تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ: ان تینوں میں سے پہلا وہ ہے جو قتل کا خون معاف کرتا ہے۔ دوسرا بہت آسان ہے جو ہم سب کر سکتے ہیں، ہر نماز کے بعد اربار سورۃ اخلاص پڑھ لیں۔

ہر فرس کے بعد۔ تو جس دروازے سے چاہیں جنت میں چلے جائیں۔ ایک اور اسی طرح کی نعمت ہے۔ جو شخص درود اکبر روزانہ پڑھے اور اس کے پڑھنے سے پہلے ایک تسبیح : رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ : پڑھے۔ ایک تسبیح کلمہ طیبہ کی پڑھے اور ایک تسبیح : يَا اللَّهُ يَا رَحْمَنُ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ : کی پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت قبول فرمائے گا، دوسرے گناہ گاروں کے لئے۔ اسکو جو نعمت بلیگی سو بلیگی۔ اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت فرمائے گا۔ تو ابارقل ھو اللہ، ہر نماز کے بعد پڑھنا اس کی یہ فضیلت ہے۔

یہ سورۃ اخلاص کیا ہے؟ یہ توحید کا پیغام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا شجرہ نسب ہے : قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ لَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ یہ اللہ تعالیٰ کو اتنی پیاری ہے، اس آیت خاص کا یہی ثواب ہے۔ تیسرے وہ لوگ جو جنت کے کسی دروازے سے جا سکتے ہیں وہ ہیں جو حاجتمندوں کو قرض دیتے ہیں۔ حضرت ابو عمر امام رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جنت کے دروازے پر لکھا ہے کہ صدقے کا ثواب دس گنا ہے۔ اور قرض دینے کا اٹھارہ (۱۸) گنا ہے آپ نے خواب ہی میں پوچھا کہ کیا وجہ

ہے کہ قرض دینے کا ثواب صدقے سے زیادہ ہے؟ قرض میں تو واپس کی گنجائش ہوتی ہے، صدقہ تو چلا جاتا ہے اللہ کی راہ میں۔ تو فرمایا کہ، جواب دیا گیا ان کو کہ صدقہ تو غیر ضرورت مند بھی لے لیتا ہے مگر قرض تو حاجت مند ہی مانگتا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ مقروض کو اگر ایک ماہ کی مہلت دیں تو روزانہ ذرا اصل جتنا خیرات کا ثواب ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا ہے کہ صدقات اور خیرات اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ہے اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ صدقات و خیرات کی ترغیب دیتا ہے اور ایک خاص قسم کا صدقہ، وہ یہ ہے کہ کسی کا قرضہ معاف کر دینا۔

ایک حکایت ہے کہ ایک شخص تھا کہ وہ لوگوں کو قرضہ دیا کرتا تھا، اپنے نوکروں سے کہتا تھا کہ تم کو اگر کوئی حاجتمند نظر آئے تو میرے پاس بھیج دو۔ وہ شخص حاجتمند کی تلاش میں رہتا تھا۔ کوئی ضروری نہیں کہ بہت بڑی رقم سے یہ کام کیا جائے، تھوڑی رقم سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ شاید وہ تنگدست ہو اور اب اس بات سے خوش ہو کہ میں نے تنگدست کی مدد کی اس کو قرضہ دیا تو میری معفرت ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو بہت پسند فرمایا۔ اور اس کی نجات ہو گئی۔

یہ مشکوٰۃ شریف میں ہے، مقروض کو مہلت دینے کے فضائل
 کے متعلق سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی غریب مقروض کو
 مہلت دے، اسے رب تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں سے بچائے گا۔
 اب اس قرض کے دینے اور معاف کرنے کے متعلق مسائل
 ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ مہلت دینا واجب ہے۔ مؤثر وہ ہے
 جسکے پاس ادائے قرض کے لائق مال نہ ہو۔ مال رکھ کر کے اگر کوئی
 اپنے کو دیوالیہ کہتا ہے، قرض معاف کرانے کے لئے تو وہ ظالم
 ہے گنہگار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی پکڑ ہوگی۔ ایک مسئلہ
 یہ بھی ہے کہ مہلت دینا واجب ہے لیکن مہلت دینے سے
 قرض ذرِ اَصْل معاف نہیں ہوتا، اگر وہ چاہے تو حاکم سے فریاد
 کر کے حاکم کے ذریعے سے اپنا قرضہ وصول کر سکتا ہے۔ اگر
 کسی حاکم کو یہ شبہ ہو کہ کوئی قرض دار اپنے مال کو چھپا رہا
 ہے، اسلامی شریعت میں اور جان بوجھ کے وہ قرض ادا نہیں
 کر رہا ہے تو وہ اس شبہ پر اس کو گرفتار کر سکتا ہے۔ شرعی
 طور پر حاکم کا یہ عمل جائز ہوگا کہ وہ دھوکہ دہی سے اپنے کو
 دیوالیہ ظاہر کر نیوالے کو، قید میں لے جا سکتا ہے۔ اور اس
 دوران میں وہ اپنی تفتیش مکمل کر سکتا ہے اور تفتیش کے بعد اگر
 ثابت ہو جائے کہ واقعی وہ دیوالیہ ہے تو وہ اسکو چھوڑ سکتا ہے

اسی طریقے سے قرض دھندہ ہیں اگر معاف کر دیں تو بہت بڑی نعمت ہے لیکن اس کا شرعی حق مقروض پر باقی رہتا ہے اور قرض خواہ جو ہے اگر اس کا کوئی ناہند مقروض ہے تو اس کو جس طرح حاکم گرفتار کر سکتا ہے اس طرح سے قرض دینے والا ہر وقت اس کے ساتھ رہ سکتا ہے، اور اس سے اپنے قرض کا تقاضا کر سکتا ہے۔ اسکی شرعی اجازت ہے۔ بہت دنوں تک فقہاء نے یہ فتویٰ دیا کہ حاکم خود مقروض کی جائیداد فروخت کر کے قرض ادا نہیں کر سکتا۔ وہ صرف مُقیداً مقروض پر دباؤ ڈال سکتا ہے کہ وہ اپنی جائیداد فروخت کرے اور قرضہ ادا کرے۔ اور یہاں سے رہائی پائے۔ جدید فتویٰ یہ ہے؛ مجتہدین کا کہ قاضی جو ہے ہر چیز فروخت کر کے مقروض کی قرض خواہ کی رقم ادا کر سکتا ہے۔ ہاں کچھ چیزیں جو ہیں استثنیٰ ہیں کہ وہ چیزیں وہ نہیں دے سکتا اس کو کچھ کپڑے اس کے لئے چھوڑنا ہوں گے اور رہنے کے لئے محل نہیں مناسب مکان اس کو دینا ہوگا اور اس کی جہت کیلئے، کسان ہے تو اس کا حل؛ بڑھئی ہے تو اس کے اوزار، لوہار ہے تو اسکے اوزار، جن چیزوں سے وہ رزق حلال کما سکتا ہے ان چیزوں کو وہ ضبط نہیں کر سکتا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پچاس (۵۰)

کروڑ کی اسٹیل مل کو بھی وہ یہ کہہ دے کہ یہ تو ہمارا حرفت ہے
 لہذا تم نہیں لے سکتے۔ تو ایسا ہو سکتا ہے کہ اسٹیل مل یا وہ فیکٹری
 بیچ دیں اور اس کو چھوٹی سی بھٹی دے دیں جہاں سے تم
 نے شروع کیا تھا وہیں واپس جاؤ۔ تو اب یہ ہے کہ ضرورت
 کے کپڑے، ضرورت کی حد تک چھت رہنے کے لئے اور آلاتِ
 حرفت جو ہے وہ اسلامی شریعت کے مطابق نہیں بیچ سکتے۔ اس
 کو چھوڑنا ہوگا۔

پھر مسلمانوں پر اللہ نے نادمہند مقروض کی آبرو حلال
 کر دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مقروض ہے اس
 کو قرض دینے والا بُرا بھلا کہہ سکتا ہے۔ قرض اتنی بُری چیز
 ہے کہ نادمہند مقروض کی آبرو حلال ہے۔ مومن کی آبرو حلال
 نہیں ہے آپ مومن کو بُرا بھلا نہیں کہہ سکتے۔ نیک اعمال والا
 ہے۔ اور ذاتی صرف کے لئے ہوئے قرضے جو ہیں اس پر
 مہلت واجب نہیں ہے۔ کار، اپنے لئے کوٹھی بنانے کے لئے
 قرض لیا تو اس قرض لینے پر مہلت واجب نہیں ہے۔ اسلئے
 کہ یہ ایسے اثاثے ہیں جن کو بیچ کر قرض ادا ہو سکتا ہے۔ لیکر
 تجارتی قرضوں پر مہلت جائز ہے، واجب ہے۔ اس لئے کہ
 اس مہلت سے اس تجارت سے منافع آتا ہے، اور اس سے

وہ قرض ادا ہو سکتا ہے ، بغیر اس کو بیچے ہوئے۔

جو قید کرنے کا حکم ہے قاضی کو اجازت ہے ، وہ اجازت وہاں باطل ہو جاتی ہے جب کہ یہ ثابت ہو کہ یہ شخص نادہند جو ہے یہ فقیر ہے ، یہ مفلس اور مسکین ہے ، اگر کسی کی فقیری یا دیوالیہ پن جو ہے وہ بالکل ثابت ہے تو ایسے آدمی کو عدالت گرفتار نہیں کر سکتی اس کی مجبوری کا لحاظ کرنا ہوگا۔ تو ظاہر ہے فقیر کو قید نہیں کر سکتے۔ شرعاً مہلت کی کوئی مدت نہیں ہے اللہ نے فرمایا کہ کوئی پریشان حال ہے جب تک اس کو آسانی نہ ہو ، اللہ تعالیٰ نے کوئی مدت نہیں مقرر کی ہے ، یہ آپکی سہولت پر ہے قرض لینا برا تو ہے لیکن بعض صورتوں میں یہ کارِ ثواب ہے۔ دوسرا یہ کہ کوئی غریب ہے اس کے پاس کفن کے پیسے نہیں ہے اور آپ کا جی چاہتا ہے کہ اس کے کفن و دفن کا انتظام کریں اس کے لئے آپ کسی سے قرض لے سکتے ہیں ، اور وہ کارِ ثواب ہوگا۔ اور تیسرا یہ کہ کوئی بالغ شخص گناہ سے بچنے کی نیت سے نکاح کرنا چاہتا ہو اور وہ اپنے اخراجات کے لئے کسی سے پیسے لے تو یہ کارِ ثواب ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے ، ہمیں ہدایت عطا فرمائے ، ہمیں شعور عطا فرمائے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے

دسائل کو اس کے بتائے ہوئے طریقے سے اور اس کی خوشنودی
کے لئے استعمال کریں۔

اللہ ہمارے دل میں فراخی پیدا کرے کہ ہم حاجتمندوں
کی حاجت روائی کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ
اگر ہمارے پیسے کسی پر باقی ہیں اور اُسکے حالات خراب ہیں تو
ہمیں حوصلہ عطا فرمائے تاکہ ہم اس کو معاف کر سکیں اور اللہ کی
خوشنودی حاصل کر سکیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



پَارَةٌ تِلْكَ الرَّسُلِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَةٌ نَبِيٍّ : ٢٨٢

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
وَعَلَىٰ آلِكَ وَأَصْحَابِكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ
بِدَايِنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوا
وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ
وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ
اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ
الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَخْسِفَ
مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ
الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْطِيعُ
أَنْ يُمْلِئَ هُوَ فليَمْلِكْ وَلِيَّهُ بِالْعَدْلِ
وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ

فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَيْنِ
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ
إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ
وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا
تَسْهَوْا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا
إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَ
أَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا
إِلَّا أَنْ تَكُونُوا تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهَدُوا إِذَا
تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَ كَاتِبٌ وَلَا
شَهِيدٌ وَإِنْ تَفَعَّلُوا فإِنَّهُ فُسُوقٌ
بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ
وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت
تک کسی دین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو،
اور چاہیے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا

ٹھیک ٹھیک لکھے، اور لکھنے والا لکھنے سے
 انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے سکھایا ہے،
 تو اسے لکھ دینا چاہیے اور جس پر حق آتا ہے
 وہ لکھاتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا
 رب ہے اور حق میں سے کچھ رکھ نہ چھوڑے،
 پھر جس پر حق آتا ہے اگر بے عقل یا ناتواں
 ہو یا لکھانہ سکے تو اس کا ولی انصاف سے
 لکھائے، اور دو گواہ کر لو اپنے مردوں میں
 سے، پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور
 دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو، کہ کہیں
 ان میں سے ایک عورت بھولے تو اس ایک کو
 دوسری یاد دلاوے۔ اور گواہ جب بلائے
 جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں۔ اور اسے
 بھاری نہ جانو کہ دین چھوٹا ہو یا بڑا اسکی میعاد
 تک لکھت کر لو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ
 انصاف کی بات ہے، اس میں گواہی خوب
 ٹھیک رہے گی اور یہ اس سے قریب ہے
 کہ تمہیں شبہ نہ پڑے مگر یہ کہ کوئی سر دست

کاسودا دست بدست ہو تو اس کے نہ لکھنے کا
 تم پر گناہ نہیں، اور جب خرید و فروخت کرو تو
 گواہ کر لو اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے
 نہ گواہ کو (یا نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ)۔ اور
 جو تم ایسا کرو تو یہ تمہارا فسق ہوگا اور اللہ سے
 ڈرو، اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے، اور اللہ سب
 کچھ جانتا ہے۔ (۲۸۲)

پہلا اور دوسرا حصہ

میں نے سورہ بقرہ کی ۲۸۲ کی تلاوت کی ہے۔ یہ طویل
 آیت ہے اور اس کی تفسیر بھی کافی طویل ہے۔ اس آیت کے
 چار حصے ہیں۔ اس نشست میں انشاء اللہ میں دو حصوں کی
 تفسیر بیان کروں گا کہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا ایہا الذین امنوا
 اذا تداينتم: دین، بے کاروباری معاملہ کرنا۔ بدین: اگر
 تم کوئی سودا کرو ادھار: الی اجل مسمی: کسی مقررہ وقت
 تک۔ اجل کیوں کہتے ہیں موت کو، اس لئے کہ وہ مقرر کردہ
 ہے۔ اپنے وقت پر آتی ہے۔

یہ تمام مومنوں سے خطاب ہے کہ جب تم کوئی لین دین کا قرضہ کرو کوئی سودا کرو اور اس میں قرض ہو تو اور وہ کسی مقررہ وقت تک کے لئے ہو قرض تو اس کو لکھ ڈالو۔ اس کی وثیقہ نویسی کر لو۔

اس میں جو سب سے اہم بات کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو تو حرام کر دیا۔ لیکن لمبی مدت کے لئے ادھار خریدنا، قیمت بعد میں ادا ہو کسی دوسری جنس میں۔ کسی نے گھوڑوں خریدا اور اُس کی روپے میں، بعد میں قیمت ادا کی۔ تو یہ بیع سکم کہلاتا ہے۔ مدینہ منورہ میں یہ ہوتا تھا کہ لوگ اپنی کھجوریں اپنی فصلیں پہلے سے ہی بیچ ڈالتے تھے اور پیسے لے لیتے تھے تو وہ اسی طریقے سے چیزیں خرید لیتے ہیں اور اس کے پیسے بعد میں دینا ہوتے ہیں۔ اس کی شرط ایک ہے کہ، وہ کسی دوسری جنس میں ہو، اگر وہ اُسی جنس میں ہو کہ کھجوریں ہی لے اور کھجوریں ہی واپس کرے، تو پھر اس میں اضافہ کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ وہ سود کے زمرے میں آجائے گا اور ربا ہو جائے گا، اگر گھوڑوں کوئی ادھار لے اس کا سودا کرے اور گھوڑوں ہی واپس کرنا ہو تو اس میں زیادتی نہیں ہوگی۔ لیکن کوئی چیز لے اور اس کی نقد ادائیگی بعد میں کرنی ہو تو اس میں زیادتی ہو سکتی ہے تو ایک تو شرط یہ ہے

کہ، ایک جنس کی قیمت دوسری جنس میں ادا کرنی ہو۔ تو بیع سلم ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ چیز مکمل طور پر مارکیٹ میں موجود ہے۔ اس پوری مدت میں بازار میں ملتی ہے۔ اس لئے وہ بیع سلم جو ہے وہ آم کا نہیں ہو سکتا امرود کا نہیں ہو سکتا۔ لیکن دوسری جنس کا ہو سکتا ہے۔

اس کی شان نزول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت بیع سلم کے بارے میں نازل ہوئی اور بیہقی اور درمنثور میں بھی یہی لکھا ہوا ہے۔ آپ ہی سے یہ روایت ہے کہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے، تو اہل مدینہ کو بیع سلم کرتے ہوئے پایا یعنی دو دو تین تین سال پہلے غلہ کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقے کو جائز رکھا۔ مگر یہ پابندی لگادی کہ میعاد اور وزن پہلے طے ہو جانا چاہیے۔ وقت طے ہو، پیسے طے ہوں، تو کتنے دنوں کے بعد وہ فصل دی جائے گی۔ اور کتنی مقدار میں دی جائے گی۔

تو اللہ فرماتا ہے : اذا تداينتم بدين : سے ہے۔ اگر ایک ہی جنس میں اس کا معاوضہ دینا ہے تو وہ ادھار ہوگا گیہوں کے بدلے گیہوں اور پیسے کے بدلے پیسے تو یہ قرض

ہوجاتا ہے۔ دین کیا ہے؟ خراب جنسی ادھار، مثلاً غلہ آج
 خریدا اور قیمت بعد میں ادا کی۔ اس میں زیادتی بھی حلال
 اور میعادِ معتبر۔ یہ تفسیر احمدی اور تفسیر کبیر میں ہے۔ اگر دو
 دو طرفہ ادھار ہو تو وہ سٹہ ہوجاتا ہے۔ جیسے اسٹاک ایکسچینج
 میں خریدتے ہیں اور بیچتے ہیں سب ادھار ہوتا ہے، بعد
 میں اس کی *Adjustment* ہوتی ہے تو وہ اسلام میں
 دو طرفہ ادھار ہے۔ سٹہ، اسلام میں جائز نہیں ہے۔

اگر آپ کچھ شیئرز خرید لیں، اپنے پاس رکھنے کے لئے
 تو یہ *Investment* ہے۔ لیکن اگر آپ نے آج صبح کو خریدا
 دوسرے دن شام کو بیچ دیا، نیچے جا رہا تھا تو وہ ایک
 جوئے کی قسم ہوجاتی ہے۔ تو اس وجہ سے وہ سٹہ اللہ نے منع
 فرمایا ہے : *الی اجل مسہمی* : ایک مقرر میعاد تک : *فاکتبواہ* :
 اس کو لکھ لو۔ اب اللہ اس دستاویز بندی کو لین دین کے ادھار
 کو اتنی اہمیت عطا فرماتا ہے۔ اس ایک جملے کے اندر کئی دفعہ
 ذکر آیا ہے : *یا ایہا الذین آمنوا..... فاکتبواہ* ^ط *ولیکتب بینکم*
 کاتب : دوسری دفعہ۔ اور کئی مرتبہ اللہ نے اس کی تاکید کی، کہ
 جب تم کسی مقررہ وقت تک ادھار کا معاملہ کرو، لین دین کرو،
 تو اس کو لکھ ڈالو۔ اور کون لکھے۔ کوئی پڑھا لکھا آدمی لکھ دے:

بینکم کاتب بالعدل : کو کوئی کاتب ہو متقی ، پرہیزگار جو ایماندار
 وثیقہ نویس ہو، وہ لکھ ڈالے : ولایاب کاتب ان یکتب : یاب کہتے
 ہیں انکار کرنے کو۔ شیطان کے متعلق ، جیسے : ابی دستکبر : جب
 سجدے کے لئے کہا تو اس نے انکار کیا اور تکبر کیا تو اسی سے
 ہے۔ تو کاتب کو یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ لکھنے سے انکار کرے
 جس کو اللہ نے علم عطا فرمایا ہے۔ علم کا فائدہ بنی نوع کو پہنچانا
 فرض ہے۔ تو ولایاب کاتب ان یکتب کما علمہ اللہ : جو علم
 اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے ، اس علم کے ذریعے سے
 دستاویز بندی لکھنے پڑھنے میں اسکو انکار نہیں کرنا چاہیے :
 فلیکتب : اس کو چاہیے کہ لکھ ڈالے۔ تو جو شرطیں ہوتی ہیں
 لین دین پر ، تو لکھنے والے کو چاہیے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ
 کرے ، اللہ نے اسے علم دیا ہے اس علم کا فیض وہ مومنین
 کو پہنچائے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو کوئی علم دیا ہے تو اس
 علم سے مشورہ دینا جو ہے ، اس کی آپ اُجرت نہیں لے سکتے
 لیکن اس کی کتابت کرنے کی اُجرت لے سکتا ہے۔ پھر یہ کہ
 لکھنے میں اللہ نے کہا ہے کہ کچھ احتیاط کرو : ولیملل الذی
 علیہ الحق : وہ آدمی جس کو حق ادا کرنا ہے یعنی مقروض :

یمیل : یعنی اِملاکرے۔ تو جو مقروض ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ
 اس کا اِملاکرے مضمون بنائے اور اس کی شرائط لکھے کہ میں
 نے اپنے ہوش و حواس میں ندیم سے ۱۰۰ روپے آج کی تاریخ
 کو فلاں دن فلاں تاریخ، فلاں مہینے میں لیا ہے اس کے ۶ ماہ
 بعد یعنی فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو فلاں دن، فلاں مقام پر مبلغ
 پانچ سو (۵۰۰) روپے جس کے نصف اڑھائی سو (۲۵۰) روپے
 ہوتے ہیں، میں ادا کروں گا۔ اور میں نے جو قرض لیا ہے اسکے
 یہ یہ گواہ ہیں۔ تو اس کی جو بھی لین دین ہوئی ہے، اس کی
 ایک سند رہے۔ کہ جب وہ اِملاکرتا ہے تو اسی وقت وہ مان
 لیتا ہے کہ ہاں میری یہ ذمے داری ہے تو اللہ نے فرمایا ہے کہ
 ایک تو لکھو پھر اس لکھنے میں کیا احتیاط ہے؟ لکھتے والا انصاف
 کے ساتھ لکھے۔ حق پرستی کے ساتھ لکھے :- بینکم کاتب
 بالعدل : دوسری بات کیا ہے؟ کہ جس کے اوپر یہ حق لازم
 ہے۔ وہ اِملاکرے : ولیہم الذی علیہ الحق : اِملاکرے اس کا
 کون کرے گا جس کے اوپر وہ حق ہے : ولیتی اللہ ربہ :
 کیا خوبی ہے اس آیت مبارکہ میں۔ اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا
 رب ہے۔ یہ بھی کافی ہو سکتا تھا اللہ سے ڈرو۔ چونکہ یہاں مالی
 معاملہ ہے۔ کہ وہی رب تمہیں پالنے والا ہے۔ تمہیں زندگی کے

وسائل دینے والا اللہ ہی ہے ، اس رب سے ڈرو اور اپنے
 حق کو واضح طور پر لکھواؤ : ولا یبخس منہ شیئا : یجنس ، کسی
 کر دینا ، کاٹ پیٹ دینا۔ جو تمہارا واجب الادا حق ہے اسمیں
 کسی طرح کی کمی بیشی نہ کرو۔ اس کو صاف صاف کرو۔ یہ پہلا جو
 ہے : فلیکتب : اس کی خلاصہ تفسیر یہ ہوئی کہ ، اے مسلمانوں
 جب تم مدت معینہ کے لئے ادھار کے لئے معاملہ کرو۔ خواہ ادھار
 سے بیع سلم ہو کہ قیمت مشتری (خریدار) پر قرض ہو۔ تو تم اس
 پر دستاویز لکھ لو۔ اور کوئی جاننے والا عالم منشی بیٹھے جو دونوں کی
 باتیں سُنے۔ اور صاف واضح عبارت میں دستاویز لکھے۔ جس میں
 ادائیگی کی مدت اور ساری تفصیلات درج ہیں۔ تاریخ بیع ہو ،
 تاریخ ادائیگی ہو۔ مقام ادائیگی ہو رقم ادائیگی ہو۔ اور کاتب پر
 کتابت لازم ہے کہ علم اسے اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے۔ لکھ
 کہ وہ شکر ادا کرے گا ، اس علم کا۔ انکار نہ کرے ، جیسا اُسے
 رب نے سکھایا ہے ، علم دیا ہے ، دیا ہی لکھے۔

اس پہلے جملے سے کچھ اصول بنتے ہیں ، جسے فائدے
 کہتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ مال کی حفاظت ضروری ہے۔
 یہ آپ کے کسی مومن کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی اپنے ، کسی
 ضعیف ، پاگل یا بیوقوف آدمی کو پیسے دیدے تاکہ ضائع ہو جائیں

بچوں کو پیسے دیدے، وہ کہیں بھول گئے، اس کی اجازت نہیں ہے۔ تو اس حفاظت کے ضمن میں اللہ نے ادھار پر لین دین کی کتابت فرض کی ہے۔ تاکہ مال کی حفاظت ہو سکے۔ جیسا کہ اکل حلال کسبِ معاش کو بربادی سے بچاتا ہے اسی لئے اس کی حفاظت ضروری ہے۔ اور یہاں جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا کہ اللہ نے چار (۴) بار لکھنے کی تاکید کی اسی ایک جملے میں: (۱)۔ فاکتبوا، (۲)۔ ولیکتب بینکم، (۳)۔ یاب کاتب، (۴)۔ ان ینکتب: تو ایک طرف تو اللہ نے زکوٰۃ کا حکم دیدیا اور سود کی ممانعت کر دی، دوسری طرف اللہ نے دین کی اجازت دیدی۔ ادھار پر چیزوں کو بیچنے کی بیع سلم کی، لین دین کی کتابت کا حکم دے دیا۔ تو اللہ نے جہاں حرام فائدہ منع کر دیا سود نہ لو، حلال ذریعے سے منافع کی اجازت دیدی۔ اللہ نے تجارت کی اجازت دی ہے۔ سود کو حرام کیا ہے۔ اور جو کافر ہیں وہ سود اور تجارت میں فرق نہیں کرتے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ جس کو علم ہو وہ لکھے اور جس کی ذمہ داری ہے وہ دہرائے یا پڑھے اس نفسِ مضمون کو تو اس سے ایک مضمون یہ بنا کہ بہتر یہ ہے کہ کاتب سے لکھوائے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جب اللہ نے املا کی

بات کی تو ساتھ یہ بھی کہا کہ لکھنے والا حق سے ، عدل سے
 لکھے تو اس سے اُصول یہ بنا کہ یہ بہتر ہے کہ کاتب جو ہے دونوں
 فریق کے درمیان بیٹھے دونوں کی بات غور سے سُنے اور سوچ
 سمجھ کر لکھے ، تاکہ آئندہ اس میں کوئی غلطی نہ ہو۔ یہ یاد رکھیں
 اُصول کہ قاضی کے لئے جج کے لئے یہ کافی نہیں ہوگی کیونکہ اسکے
 جو دو گواہ ہیں ان گواہوں کی گواہی سے دستاویز کی صحت ثابت
 ہوگی عدالت میں ، اور اس سے اس کا حق دلویا جائے گا۔
 پانچواں اُصول یہ ہے کہ مسائلِ شرعیہ جاننے والا ہو۔
 متقی ہو۔ چھٹا اُصول یہ ہے کہ دستاویز کی عبادت غیر مبہم نہ ہو۔
 ساتواں اُصول یہ ہے کہ ، ہر قابلِ تنازعہ عمل لکھ لینا چاہیے ، لیکن
 حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تھوڑی سی سخت تفسیر
 فرماتے ہیں کہ تین شخصوں کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ جس کی عورت
 بد اخلاق ہو اور وہ اسکے باوجود بھی اُسے طلاق نہ دے۔ دوسرا
 وہ جو اپنا مال دیوالیوں اور نابجھوں کے سپرد کر دے ، مال کو ضائع کر دے
 اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے اپنے مال کی حفاظت کرو۔ اور جو بغیر
 لکھے اور گواہ بنائے قرض دے دے۔ یہ بھی اتنا بُرا عمل ہے۔
 وہ فرماتے ہیں۔ تو اس سے اُصول یہ ہوا کہ قرض کی کتابت بھی
 ایک مستحسن عمل ہے۔ دسواں اُصول یہ کہ : بدین اجل مسمی : دین

کی میعاد واضح ہونی چاہیے ، اور متنازعہ نہیں ہونی چاہیے۔

گیارہواں اصول یہ ہے کہ بیع سلم جائز ہے۔ اور قرآن سے ثابت ہے۔ یعنی فی الحال دی جائے اور مال ادھار۔ لیکن اس کی سات (۷) شرطیں ہیں۔ یہ سات شرطیں ہوں گی تب یہ جائز ہوگا۔ پہلی بات یہ کہ مال کی جنس مقرر ہو، کہ کس شکل میں ادا ہوگا۔ پھر مال کی صفت مقرر ہو یعنی کس قسم کی کمیٹی ملے گی، اور کس معیار کی ملے گی۔ اور مال کی مقدار مقرر ہو۔ پانچواں یہ کہ وقت ادائیگی مقرر ہو۔ اور چھٹا یہ ہے کہ مقام ادائیگی مقرر ہو۔ اور ساتویں یہ کہ مال وہ ہو جو وقت معاہدہ سے وقت ادا تک بازار میں اس کی خرید و فروخت ہو رہی ہو۔ بارہواں اصول یہ ہے کہ دستاویز کی تحریر اور معاملات کے مسائل سیکھنا فرض کفایہ ہیں ہے۔ یہ جو وثیقہ نویسی ہے یہ بھی فرض کفایہ ہے۔

اب اس سلسلے میں کچھ مسائل بھی ہیں بیع سلم کے بعد کتابت کے۔ پہلا جو مسئلہ ہے وہ یہ کہ بیع سلم میں خریدار جو ہے وہ ربّ السلم ہوتا ہے وہ مالک ہوتا ہے اور فروخت کنندہ جو ہوتا ہے وہ ربّ المال ہوتا ہے۔ وہ مال کا مالک ہے اور قیمت اس کی رائس المال ہے۔ بیع کی چار (۴) ، چار (۴) صورتیں ہیں : (۱)۔ نقد کی نقد سے ، (۲)۔ نقد کی ادھار سے ،

(۳)۔ اُدھار کی نقد سے ، (۴)۔ اور اُدھار کی اُدھار سے ۔ پہلی تین (۳) جائز ہیں اور اُدھار کی اُدھار سے جو بیع ہے وہ سُنہ ہے ، ناجائز ہے ۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ کتابت کی فیس جائز ہے ۔ مگر مسئلہ بتانے کی نہیں ، یہ فرض ہے ، فرض عین ہے ، حرام کام پر اُجرت حرام ہے ۔ شراب بیچنے پر کوئی تنخواہ لے رہا ہے یہ حرام ہے ، باقی سب پر حلال ہے ۔ چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ جہاں اُجرت لینا حرام ہے وہاں دینا بھی حرام ہے ۔ یہ تو کتابت کے متعلق تھا ۔ اب اگلا ٹیکس کے متعلق ہے ، کہ : ولیم اللہی علیہ الحق : یہ دوسرا جملہ جو ہے اس آیت مبارکہ کا اس میں دو چیزیں ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اس کا ٹیکس جو ہے وہ اس کی طرف سے ہونا چاہیے جس کو وہ حق ادا کرنا ہے ۔ صحیح صحیح حساب کے ساتھ ہونا چاہیے ۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہونا چاہیے ۔ اور دوسری بات یہ کہ اس کے گواہ بنا لینے چاہئیں ۔

یہ دو بنیادی اصول ہیں ، اس کا پچھلی سے تعلق ہے ، پچھلے مضمون میں کتابت کا ذکر تھا اب مضمون کو قلمبند کرنے کا ذکر ہے ۔ کتابت کس طرح کی جائے ۔ اور دوسری یہ کہ اللہ کا حکم ہے کہ کاتبِ خواہ کوئی بھی ہو لیکن مضمون جو ہے وہ مقروض کی طرف سے ہو ۔ تیسری بات یہ کہ دو گواہ جو اللہ

نے فرمایا کہ مضمون جو ہے وہ مقروض کی طرف سے ہو۔ اور کتابت کے گواہ ہوں۔ جیسا کہ میں نے بتایا: ولیمیل الذی : اس مضمون کا اِلا کرائے اس کو بتائے وہ شخص جس پر وہ حق واجب ہے۔ اور وہ شخص جس میں عقل نہیں ہے، یا نابالغ ہے، یا اتنا ضعیف ہو گیا ہو کہ اس کو عقل یا یادداشت نہ ہو : اولاً یسطیع ان یمل : اس کو زبان نہ آتی ہو۔ تو تم کیا کرو : ولیمیل..... تو پھر ایسی صورت میں اس کا کوئی ولی، وارث، انصاف کے ساتھ اس کا مضمون لکھ دے۔ اللہ نے کتنی احتیاط کی ہے چھوٹے چھوٹے مسئلے کے متعلق بتایا ہے کہ کوئی کم عقل ہے ضعیف ہے اس کے ہوش و حواس کم ہو گئے ہیں، ذہنی صلاحیت کم ہو گئی ہے یا یہ کہ اس کو بولنا نہیں آتا۔ گونگا ہو، یا زبان دان نہ ہو، یا وہاں کی زبان نہ آتی ہو۔ تو کیا کرے۔ اس کا کوئی ولی، عدل اور انصاف کے ساتھ، حق کے ساتھ، اس کی طرف سے اِلا کر دے۔

واستشهدوا شہیدین من رجالکم : یہاں اللہ نے یہ

نہیں کہا کہ شاہد بنا لو۔ کسی ایسے آدمی کو گواہ بنا لو جس نے دیکھا ہو سارا۔ دو گواہوں کو اپنا شاہد بنا لو۔ دیکھنے والا بنا لو۔ دو انسانوں کو جنہوں نے دیکھا ہو سب کچھ دو مردوں نے۔ اسمیں

ایک نقطہ ہے۔ دو شرائط لگا دیں اللہ نے: ایک تو یہ کہ دو
 ہونے چاہئیں، کہ ایک بھولے تو دوسرے کو یاد رہے۔ تو
 دو گواہ ہوں جو اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کریں۔ اور ایسا نہ
 ہو کہ دو آدمی نہ ہوں تو پھر کیا ہے؟ : فان لم یكونا رجلین
 فرجل وامراتن : اگر تمہیں دو مرد گواہ نہ ملیں تو ایک مرد کو لو
 اور دو عورتیں۔ یعنی ایک مرد کے بدلے دو عورتیں۔ احتیاط یہ
 ہے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسرے کو یاد رہے۔ تو اللہ کو
 یہ پتہ ہے کہ عورتوں کا حافظہ کمزور ہے، اس لئے کہ وہ باہر کے
 معاملات نہیں کرتیں وہ گھریلو کام کرتی ہیں۔ : ممن ترضون من
 الشهداء : جو تمہارے سب لوگوں نے جنہوں نے یہ واقعات
 دیکھے ہیں، ان کو گواہ کر لو۔ ان میں سے جس کو تم پسند کرو۔ ان
 میں سے چُن لو۔ دو مرد کر لو یا ایک مرد، دو عورتیں۔ اتنی ساری
 احتیاط کیا ہے؟ : ان تضل احداہما : ان میں سے اگر ایک
 بھول جائے تو پھر کیا ہے : فتذکر احداہما : ان میں سے
 کوئی دوسرا جو ہے، اس کو یاد دلا دے۔ نہیں ایسا واقعہ نہیں
 تھا، ایسا تھا۔ تو اس کا تعلق بھی پچھلے سے ہے کہ پچھلے جملے میں
 کتابت کا ذکر تھا اب مضمون کو قلمبند کرنے کا ذکر ہے۔ اس
 دوسرے جملے کا خلاصہ یہ ہے۔ خلاصہ تفسیر یہ ہوا کہ : اسے

مسلمانوں قرض کے معاملات میں لکھوانے میں تو آزادی ہے۔ چاہے مقروض لکھے یا وثیقہ نویس۔ لیکن دستاویز مقروض کی طرف سے ہو۔ اور اس کا نفس مضمون جو ہے وہ مقروض کی طرف سے ہوگا۔ تاکہ وہ کل اس سے منکر نہ سکے۔ اور وہ دستاویز لکھا جائیگا مقروض کے کہنے پر، اور رہے گا وہ قرض خواہ کے پاس، بطور ثبوت کے۔ اور اس دستاویز کا اہل مقروض بولے اور اپنی زبان میں لکھوادے ساری تفصیل کے ساتھ۔ اور مقروض جب دستاویز لکھوائے تو چاہیے کہ وہ اپنے رب سے ڈرے۔ مدت میں یا مقدار ذہن میں یا شرائط قرض میں اپنی غرض سے کوئی کمی نہ کرے۔ اور اگر مقروض بے عقل ہو یا نابالغ ہو یا ضعیف العمر ہو یا گونگا ہو یا زبان نہ جانتا ہو تو اس کی طرف سے اس کا کوئی کارکن، میجر یا وکیل، نفس مضمون بول دے اور وہ بھی عدل و انصاف سے لکھوائے اور بطور احتیاط کے اس میں دو (۲) متقی مسلمانوں کی گواہی ذکر کر دے۔ اگر دو گواہ مرد نہ ملیں تو اسکے بدلے ایک مرد دو عورتیں۔

ایک بات جان لیں کہ مسلمانوں کے معاملے میں کافر کی گواہی جو ہے وہ معتبر نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے فرمایا کہ: **من رجالکم**: تم میں سے جو دو مرد ہوں، یہ مومنین

سے خطاب ہے، تو اس وجہ سے مسلمانوں کے معاملات میں
 کافر کی گواہی جو ہے وہ معتبر نہیں ہے۔ اسی طرح سے تیسرا
 اس کا اصول یہ بنا کہ مالی معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی
 اسلام میں معتبر نہیں ہے، ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ چوتھی
 بات یہ ہے کہ بچوں کا، اطفال کا، یا ضعفاء، خبط الخواص لوگوں
 کا ان لوگوں کے قرض کا اقرار اس کا ولی ہو سکتا ہے اور اسکا
 اقرار قانونی طور پر ہوگا۔ پانچواں اصول یہ کہ فاسق و فاجسہ کی
 گواہی قبول نہیں ہے کہ اس لئے کہ اللہ نے تقویٰ کی شرط
 رکھی ہے۔ گواہی اس کی قبول نہیں ہے مگر وہ معتبر ہے۔ مثلاً
 فاسق کی گواہی پر نکاح ہو سکتا ہے۔ اگرچہ اس گواہی کو قبول نہیں
 کرنا چاہیے۔ لیکن نکاح ہو جائے گا۔ کمزور حافظے والے اور
 اطفال کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ اور گواہی میں لفظ شہادت
 بولنا چاہیے۔ اس لئے کہ: استشهدا: کا لفظ اللہ نے فرمایا
 ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں۔ اس لئے کہ میں دیکھ کر کے بتاتا
 ہوں، اور معاملاتِ قرض میں، بوقتِ معاملہ گواہ کی موجودگی
 ضروری ہے۔ اور گواہی کے معاملے میں مرد اللہ کی نظر میں
 عورت سے افضل ہے۔ اس لئے کہ ایک مرد کے بدلے میں
 دو (۲) عورتوں کی گواہی ضروری ہوگی۔ یہ دونوں کی یادداشت

کی صلاحیتوں پر منحصر ہوگا۔

اب اس کے بہت سارے مسائل ہیں۔ گواہی تین قسم کی ہے۔ بعض معاملات ایسے ہیں کہ، اس میں صرف عورتوں کی گواہی جائز ہے مردوں کی نہیں ہے۔ مثلاً ولادت سے متعلق گواہی جو ہے وہ مردوں کی نہیں مانی جائیگی عورتوں کی مانی جائے گی، کہ کون کس وقت پیدا ہوا ہے، یہ مسئلہ ایسا ہے کہ صرف عورت ہی اسکی گواہی دے سکتی ہے۔ تو ایک تو وہ ہے کہ جہاں صرف مرد گواہ بن سکتے ہیں۔ جیسے حدود و قصاص۔ اس میں عورت کی گواہی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ جہاں صرف عورتوں کی گواہی معتبر ہے، صرف عورت کی ذات سے متعلق ہو جن کا علم مردوں کو نہ ہو سکے۔ مثلاً عورت کا باقرہ ہونا، ولادت یا عدتِ طلاق کا پورا ہونا۔ طلاق کی بعض شرائط ایسی ہیں جو عورتیں جان سکتی ہیں۔ مرد اس کی گواہی نہیں دے سکتا۔ اور تیسرا وہ ہے جہاں مرد اور عورت دونوں گواہ ہو سکتے ہیں۔ مالی معاملات، دوسری بات یہ کہ دنیاوی خبر جو ہے وہ کافر کی بھی معتبر ہے۔ مثلاً ایک انگریز جب وہ حاکم تھا اس نے کہا کہ حکومتِ برطانیہ نے یہ فیصلہ ہندوستان کے متعلق کیا ہے تو اس کی یہ خبر جو ہے معتبر مانی جائے گی۔ تو کافر کی خبر

معاملات کے ضمن میں اور بیانات میں دنیاوی امور کو مد نظر رکھتے ہوئے تو قبول ہے مگر حلال و حرام میں نامقبول ہے۔
 اگر کافر یہ کہے اپنے ہوٹل میں کہ یہ میں نے حلال گوشت آپ کو کھلایا ہے، تو اس کی یہ خبر بالکل بھی مقبول نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ حلال و حرام میں خود یقین نہیں کرتا تو اس لئے باہر کھانے پینے میں احتیاط کرنا چاہیے۔ ہر گواہی میں شاہد ہونا ضروری نہیں ہے۔ دیکھ کر معتبر اطلاع پر بھی گواہی دی جاسکتی ہے۔ مثلاً: نکاح، طلاق، تبرکات میں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حضور ﷺ کا موٹے مبارک ہے۔ تو اس کو قبول کر سکتے ہیں اگر اسکی شہرت ہو تو کہ یہ انہی کا ہے اور اگر استشہاد (گواہی) کے ضمن میں کریں گے کہ تم بتاؤ تم نے دیکھا تھا کہ نہیں حضور انور ﷺ کے سر مبارک سے یہ بال گرتے ہوئے، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ نکاح کے متعلق نہیں ہے۔ اگر کوئی کہدے کہ میرے سامنے مجھے پتہ ہے کہ فلاں دن، فلاں وقت، فلاں شخص کا نکاح ہوا تھا، تو اس کو مان لیتے ہیں اگر وہ معتبر آدمی ہے تو۔ شہرت یا علامت پر گواہی دی جاسکتی ہے۔ پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ کفار کے معاملے میں کفار کی گواہی معتبر ہے اس میں مومن ہونے کی شرط نہیں ہے۔ اور چھٹا مسئلہ اس گواہی سے یہ ہے کہ گواہی

کو قبول کرنے کی دس (۱۰) شرائط ہیں : پہلی شرط یہ ہے کہ :
 گواہ آزاد ہو۔ اگر وہ کسی کے تصرف میں ہے غلام ہے یا کنیز
 ہے تو پھر اس کے قول کا اعتبار نہیں، کہ ہو سکتا ہے کہ اسکے
 مالک نے زور زبردستی سے گواہی کو بولا ہو۔ دوسری بات یہ کہ
 وہ خود اس گواہی کا شہید ہو، یعنی گواہی اس گواہ کے لئے خود
 نافع ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کا مسلمان ہونا۔ چوتھی شرط یہ کہ
 اس کا بالغ ہونا۔ پانچویں شرط ہے، اس کا متقی ہونا۔ اور چھٹا
 اس واقع سے واقف ہونا۔ ساتواں اس کی شہرت اچھی ہو
 غلط گوئی اور بے مروتی میں مشہور نہ ہو۔ اور آٹھواں کہ وہ گواہ
 جو شہادت دے رہا ہے، اس کا بیٹا یا اس کا غلام نہ ہو۔ اور
 نواں یہ ہے کہ گواہی سے دفعہ ضرر نہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ وہ گواہی
 دے دے، تو اس سے کہے کہ میں تمہیں ماروں گا اگر تم نے
 گواہی دی یا نہ ماروں گا، تو اگر گواہی سے کوئی منافع ہو تو وہ
 گواہی معتبر نہیں ہے اس گواہی سے دفع ضرر ہو۔ اور دوسری
 بات یہ کہ گواہ مشہود الیہ کا دشمن نہ ہو۔ اس کے خلاف اسکے
 معاملے میں وہ گواہی دے رہا ہے اس سے اس کی دشمنی نہ
 ہو۔ اگر کوئی میرا دشمن ہے تو کہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ انہوں
 نے پیسے دیئے تھے۔ تو غلام کی گواہی بھی معتبر نہیں ہے۔

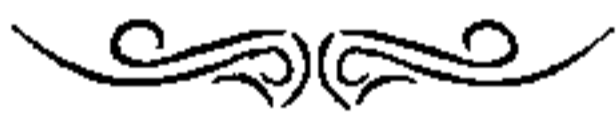
آٹھواں مسئلہ یہ کہ گواہ کو متقی ہونا چاہیے نہ وہ گناہ
 کبیرہ کرتا ہے نہ گناہ صغیرہ پر قائم رہتا ہے، گناہ صغیرہ مسلسل
 کرنے سے گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اور نخس کی گواہی معتبر نہیں ہے۔
 یہ بھی شرعی مسئلہ ہے۔ ایک گواہ کے ذریعے کسی قسم کے مسئلے
 میں کسی مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا اور اگر صرف
 ایک گواہ یہ کہے کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں سچ کہہ رہا ہوں تو
 اس سے بھی مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اور جیسا کہ میں
 نے پہلے عرض کیا تھا کہ، فیصلہ گواہی پر منحصر ہے۔ شہادت بہت
 اہم ہے۔ کتابت بھی اہم ہے لیکن شہادت اس سے زیادہ اہم
 ہے۔ اس لئے کہ فیصلہ گواہی پر منحصر ہے۔ کیونکہ دستاویز جعلی
 ہو سکتی ہے۔ اگر گواہ کو دستاویز دیکھ کر بھی یاد نہیں آتا کہ یہ واقعہ
 ہوا ہے اس کی شہادت وہ نہیں دیتا، تو پھر وہ گواہی نادرست
 ہوگی، نہ مانی جائے گی۔ اور قرض کی گواہی واقعہ دیکھ کر جائز
 ہے نہ کہ تحریر سن کر۔ نکاح کے معاملے میں شہرت کی بناء پر
 گواہی دی جاسکتی ہے لیکن قرض کی گواہی واقعہ دیکھ کر ضروری
 ہے اور اس میں سنی سنائی بات پر گواہی نہیں دی جاسکتی۔
 اسلامی قانون کے مطابق گواہوں کے دستخط ضروری نہیں ہیں۔
 اگرچہ یہ بہتر طریقہ ہے۔ گواہ الگ سے پیش کیا کرتے ہیں۔

چاہے دستاویز پر دستخط ہوں یا نہ ہوں۔

اور پندرہواں مسئلہ یہ ہے کہ اولاد کی گواہی ماں باپ کے حق میں قبول نہیں ہے۔ اسلام میں یہ احتیاط ہے کہ کسی طریقے سے گواہی کی صحت اگر جہاں شبہ میں پڑ جائے تو وہ گواہی رد ہو جاتی ہے۔ اور دشمن کی، دشمن کے خلاف مردود اور ناقابل قبول ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقے سے ہم اپنے معاملات کو رکھیں اور اسمیں تقویٰ سے کام لیں۔ اس کے عطا کئے ہوئے حقوق پر ہم تو کمل کریں اور اللہ تعالیٰ ہی سے اس کا حل ڈھونڈیں۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



پَارَاةٌ تِلْكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَتِ نَمْبَرِ : ۲۸۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَاٰحْصَاۤیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

تیسرا حصہ

پچھلی نشست میں، میں نے آیت نمبر ۲۸۲ کے پہلے اور دوسرے جملے کی تفسیر بیان کی تھی۔ آج میں انشاء اللہ اس کے تیسرے حصے کی تفسیر بیان کروں گا، یہ بہت ہی اہم ہے۔ اس کے اوپر ایک صاف ستھری اقتصادی نظام کی بنیاد ہے۔ یہ آیت مبارکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا پچھلے دو حصوں میں ہدایت تھی کہ جب تم کوئی کاروبار کوئی تجارت قرض کی بنیاد پر کرو، بیع سلم کرو، تو تمہارے لئے یہ بہتر ہے کہ تم اس کی دستاویز بندی کر لیا کرو۔ اور اس دستاویز بندی میں اس معاملے

کی نوعیت، اس میں کتنی رقم واجب الادا ہے اور کتنی مدت کے لئے وہ بیع سلم ہے، اور معاہدہ ہے یہ سب اس دستاویز بندی پر تحریر کر لیا کرو۔

پھر اس سلسلے میں دوسری ہدایت یہ تھی کہ جب تم اسکو لکھو آپس میں دستاویز بندی کرو، کتابت کرو، انصاف کیساتھ۔ تیسری بات یہ کہ اللہ ہی سارا علم سکھاتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ تمہارے پاس جو علم ہے وہ اللہ ہی بتاتا ہے، لہذا اس علم کا فائدہ لوگوں کو، اللہ کی مخلوق کو پہنچاؤ۔ تو ایک تو یہ کہ عدل و انصاف کے ساتھ دستاویز بندی کرو تاکہ حقوق العباد کی حفاظت ہو سکے۔

یاد رکھیں کہ حقوق العباد، حقوق اللہ سے زیادہ سخت ہیں۔ حقوق اللہ میں اگر کوئی کوتاہی ہوگی تو اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید ہے۔ حقوق العباد میں اگر کوئی کوتاہی ہوئی تو اللہ کی طرف سے معافی کی امید نہیں ہے۔ بندہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے۔ تو کتابت کرنے والے کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ پس و پیش نہیں کرنا چاہیے۔ جو کچھ اللہ نے اذن دیا ہے اس کے حاب سے وہ اسکی کتابت کرے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ایسے معاملات میں نفسِ مضمون وہ شخص لکھے جس پر وہ حق واجب ہوتا ہے۔ یہ مختصراً میں دُھرا رہا ہوں تاکہ یاد ہو جائے آپ کو۔ اور نفسِ مضمون کا اِطلاع کراتے وقت وہ اس میں کوئی کمی نہ کرے۔ اور اگر وہ مقرض شخص جس پر وہ حق واجب ہے وہ ضعیف ہے اُس کی ذہنی صلاحیت ایسی نہ ہو۔ ضعیفی کی وجہ ہے کہ وہ صحیح صحیح نفسِ مضمون بیان کر سکے۔ یا اس میں علمی صلاحیت ایسی نہ ہو، تو پھر اسکا کوئی ولی (وارث) اسکی جگہ نفسِ مضمون بول سکتا ہے، اِطلاع کر سکتا ہے۔ لیکن ولی جو ہے وہ قرابت داری کا خیال نہ کرے، عدل و انصاف کے ساتھ کام لے۔

چوتھی بات اللہ نے یہ فرمائی اس سلسلے میں کہ، جب ایسے معاملات ہوا کریں تو دو گواہ مردوں میں سے ہوں۔ (میں آگے چل کر گواہی کے مسائل آپ کی خدمت میں پیش کرونگا) اگر دو مومنین مرد تم میں سے گواہ نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کرو۔ اللہ فرماتا ہے کہ اتنی احتیاط میں نے تمہارے لئے اسلئے لازم کی ہے کہ تم میں سے کوئی ایک اگر بھول جائے تو دوسرا یاد دہانی کرادے۔ بتادے ایسا نہیں، ایسا واقعہ ہوا تھا۔

اب میں تیسرا حصہ جو ہے اس آیتِ مبارکہ کا اسکی تفسیر

بیان کرتا ہوں : ولایاب الشہداء جناح الاکتیوہاٹ
 اب اس آیت کا مطلب جان لیں کیونکہ پھر اس کا تعلق پچھلی
 سے واضح ہو جائیگا۔ پہلی آیت تو کاتبوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے
 دی تھی کہ کاتب اپنے علم کا فائدہ پہنچائیں، مومنین کو۔ اس
 سے وہ احتراز نہ کریں۔ عدل کے ساتھ کریں جس پر واجب الادا
 حق ہے وہ انصاف کے ساتھ اس کا مضمون بیان کرے۔
 اب اللہ گواہوں کے متعلق ہدایت فرماتا ہے : ولایاب
 الشہداء اذا ما دعوا : یابی کا مطلب ہے ہچکچاہٹ کرنا ،
 شیطان کے متعلق اللہ نے فرمایا : ابی واستکبرا : جب اُس
 نے انکار کیا اور اُس نے تکبر کیا، تو اسی سے ہے یَاب۔ تو
 ولایاب الشہداء : گواہوں کو چاہیے کہ وہ کنارہ کشی نہ کریں،
 گواہی سے وہ بھاگیں نہیں۔ کب ؛ اذا ما دعوا : جب مدعی
 ان کو بلائے۔ مدعی کو ضرورت ہو ان گواہوں کی، تو پھر ان پر
 لازم ہے کہ وہ آکر گواہی دیں، اس لئے کہ اللہ کے نزدیک
 حقوق العباد کی حفاظت بہت اہم ہے یہ ان کا دینی فرض
 بنتا ہے۔ تو گواہ پر گواہی کب لازم ہوتی ہے۔ جب دعویٰ
 جو ہے مدعی کو بلائے۔ عدالت بلائے یا مدعی بلائے۔ دونوں
 صورتوں میں اس کی حاضری جو ہے ضروری ہے سوائے اس

کے کہ وہ بیمار ہو، یا کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں آسکتا ہو،
 یا اس کے پاس اتنے وسائل نہیں ہوں کہ وہ گواہی کے لئے
 حاضر ہو سکتا ہو، تو مدعی کی ذمے داری ہے کہ اسکے وہ اخراجات
 حاضری کے برداشت کرے۔ لیکن اس کو آنا ضروری ہے :
 ولایاب الشہداء اذا ما دعواط : جب بلائے دعویدار تو پھر
 گواہوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ، یہ مناسب نہیں ہے کہ اس
 میں کنارہ کشی کریں : ولا تسئہوا ان تکتبوا : سامو، کیا ہے
 ہے؟ ہچکچاہٹ کرنا، اپنے پرگراں گزرنا، کاہلی کرنا : ان تکتبوا :
 اس طرح کے معاملات لکھنے میں تم سستی اور کاہلی نہ کرو۔
 صغیرا و کبیرا الی اجلہط : صغیر اور کبیر چاہے وہ
 چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا ہو : الی اجلہط : اس کے وعدے
 تک، اس کی مدت تک اس کو لکھ ڈالو۔ یہاں اس سے
 یہ پتہ لگا اللہ نے صغیر اور کبیر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جو
 وزن والی چیزیں ہوتی ہیں ان کے لئے قلیل اور کثیر کا لفظ
 استعمال ہوتا ہے۔ تو اس کا مطلب ہے وہ چیزیں جو دوسرے
 طریقے سے ناپی جاسکتی ہیں۔ وزن کے علاوہ وہ بھی اس میں
 شامل ہو گئیں۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ : اس زمانے میں
 بہت ہوتی تھی کپڑے کی تجارت، کہ کپڑا بھی اگر بیع سلم پر

اگر فروخت کیا جائے چاہے وہ چھوٹا ہو، چاہے ایک گز ہو، ایک تھان ہو، یا ایک اونٹ ہو، اس کی کتابت کر لینا بہتر ہے۔ تو ولا تسہوا ان تکتبوا صغیرا و کبیرا الی اجلہ : اس مُقَدَّرہ مدت تک اس کی رقم لکھ دیں وہ مدت لکھ دیں اور باقی تفصیل بھی لکھ دیں۔

اب اس میں اللہ نے جو دنیاوی فائدے اس کے بتائے ہیں اس سے پتہ لگتا ہے کہ چاہے چھوٹا ہو یا چاہے بڑا ہر ایک کو، اللہ دنیاوی معیشت کے اصول کے مطابق ضروری سمجھتا ہے۔ اور اس کے آگے آنے والے ٹیکڑوں میں وہ تین وجوہات بتاتا ہے۔ اگر واجب ہوتا تو اللہ فرماتا تمہیں آخرت میں فائدے ہوں گے۔ دنیا کا فائدہ بتایا ہے اس کا مطلب ہے کہ مُستعد ہے۔ دنیا ہی میں اس کا فائدہ ہے۔ کیا فائدہ اللہ نے بتایا ؟ : ذالکم اقسط عند اللہ : قسط سے ہے۔ اور اقسط کا مطلب زیادہ انصاف والا۔ جُزِ حَقِّہ کو بھی کہتے ہیں، نقصان کو بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہاں وہ فائدے کے انصاف کے معنوں میں اللہ نے استعمال فرمایا ہے : ذالکم اقسط عند اللہ : یہ بات جو ہے ہر چھوٹے بڑے، بیع سلم کے معاملات کی دستاویز بندی کرنا، اللہ کے نزدیک بہت زیادہ انصاف کی

بات ہے۔ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا معاملہ ہو۔ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ اور دوسرا فائدہ اللہ نے کیا بیان فرمایا؟ : واقوم للشهادة اقوم جو قیام سے کھڑا کرنا۔ شہادت معنی گواہی۔ اور گواہی کو کھڑا کرنے کے لئے بہتر ہے کہ گواہی دینے والے اور گواہی کے حفاظت کی جائے۔ اس کو قائم کرنے کے لئے بہتر ہے لکھنا۔ اس لئے کہ اگر اس کی دستاویز بندی ہو چکی ہوگی تو جو حقدار ہے مدعی اس کے لئے بھی آسانی ہوگی، اور جو عدالت ہے اس کے لئے بھی آسانی ہوگی۔ اور چونکہ اس میں ہر ایک کے حق اور وجوہات بیان کئے ہونگے۔ اس وجہ سے آپس میں جھگڑے نفاق اور لڑائی کی گنجائش نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا کیا مقصد ہے؟ کہ اس نے کہا: واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً: تم سب مل کے اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑو۔ ایمان لاؤ اور پھر آپس میں بھائی بھائی بن کے رہو۔ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ عورتیں بہن بہن ہیں۔ عورتیں مرد بھائی بہن ہیں۔ تو ایسا کوئی کام نہ کرو کہ جس سے تمہاری اخوت میں خلل پڑے۔ اگر تم ہر چھوٹے بڑے معاملات کو لکھ لیا کرو گے۔ اس کی گواہی کا تعین بھی کر لو گے تو معاملات واضح اور صاف ہوں گے، اور اس کی شہادت جو ہے مستحکم ہوگی۔ اس

دعوے کے حق کی ادائیگی میں یا عدالت سے انصاف میں آسانی ہوگی اور تم میں بلاوجہ کی ناچاکی اور جھگڑے مالی معاملات پر نہیں ہوں گے۔ تیسرا فائدہ اللہ نے کیا بتایا؟ : دادنی الا ترتابوا : پہلی آیت میں کلام پاک کی سورہ بقرہ میں تھا : لاریب فیہ : توریب کا مطلب ہے شبہ۔ اور شبہ سے لفظ بنا، ترتاب۔ یہ اس وجہ سے بھی ہے کہ دستاویز بندی لکھے جانے سے تم شبہ میں نہیں پڑو گے۔ جو حقوق کے وجوہات ہیں۔ اس کے متعلق کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جائے گا۔ تو تین فائدے کیا ہیں؟ اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے۔

الا ان تكون تجارة حاضرة تديرونها بينكم : كولو، یعنی کرنا۔ تجارة، معنی سودا۔ حاضرة، معنی حاضر سودا۔ فوراً جو کام ہو رہا ہے۔ تديرونها، معنی پھرانا۔ سوائے اس کے کہ وہ تجارتی مال جو آپس میں گھماتے پھراتے رہتے ہو جو حاضر تجارت کا ہے حاضر مال ایک دوسرے کو بیچتے رہتے ہو تو اس میں کوئی ضروری نہیں ہے کہ گواہ ہو دستاویز بندی ہو کیونکہ اسکا پیسہ اسی وقت مل جاتا ہے اس میں مستقبل کی کوئی ادائیگی کوئی وجوہات نہیں ہوتیں۔ تو : الا ان تكون تجارة حاضرة : سوائے اسکے کہ تم کوئی ایسا سودا کرو جو اسی وقت حاضر ہوا اور لین دین

ہو جائے تو لکھنا ضروری نہیں :- فلیس علیکم جناح الا تکتبوا
 تو تم پر ایسے معاملے میں کوئی گناہ نہیں اگر نہ لکھو۔ یہ تیسری
 ہدایت اللہ نے دی ہے۔

اسکا پچھلے سے تعلق واضح ہونا چاہیے۔ پہلا تعلق کیا
 ہے؟ کہ پچھلے جملے میں گواہ بنانے کے متعلق تھا کہ گواہ بناؤ تو
 وہ مرد ہونا چاہیے دو مرد ہوں یا تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں
 کہ ان میں سے کوئی بھول جائے تو دوسرا یاد دلا دے۔ اور
 کوئی شبہ نہ رہ جائے۔ اور اب گواہی دینے کا حکم اور اس
 گواہی کو چھپانے کی ممانعت ہے کہ گواہی کیلئے کوئی بلائے
 تو یہ نہ ہو کہ تم گواہی سے جی پُراؤ۔ دوسرا کیا ہے۔ پچھلے جملے
 میں قرض کی دستاویز بندی کرنے کا حکم دیا گیا تھا، بلکہ اس حکم
 کو اب اور وسعت دی جا رہی ہے کہ، کہا کہ: دستاویز صرف بڑے
 قرض کیلئے خاص نہیں ہے بلکہ چھوٹے بڑے ہر قرض کو لکھ لو، کیونکہ
 تم کو لکھنا چاہیے۔ اب اس کے لئے قواعد تیار کئے جا رہے ہیں۔
 اس گواہ کی کیا کیا ذمے داریاں ہیں؟ اور پچھلے جملے سے یہ بھی
 ابہام ہو سکتا تھا کہ غالباً حاضر سودوں میں بھی کتابت لازمی ہے۔
 تو اللہ نے یہ ابہام دور کر دیا ہے کہ نہیں تم تجارت کرو مال ادھر
 سے ادھر دو، ایک دوسرے سے لین دین کرو۔ ابی، یعنی باز

رہنا۔ اور دُعو، دعویٰ کرنا، تبلیغ کرنا۔ اگر تم کو مدعی بلا تے اور یہ جو دُعو، کا لفظ ہے یہ مفسرین نے کہا کہ دونوں کیلئے ہو سکتا ہے۔ ایک گواہ بننے کے لئے بھی۔ دوسرے یہ کہ گواہ بننے کے بعد معاف کو طے کرنے کے لئے بھی۔ تو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں پر محیط ہے۔ اور گواہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ شرعی طور پر معتبر گواہ ہونا چاہیے۔

گواہی کی کچھ قسمیں ہیں۔ ایک قسم، تو قصاص اور حدود کی گواہی ہے۔ دوسری، حقوق کی گواہی ہے۔ تیسری، شرعی احکام کی گواہی ہے۔ جو قصاص اور حدود کی گواہی ہے اس میں آپکو یہ اختیار ہے کہ آپ چاہیں وہ گواہی دیں یا نہ دیں، مثلاً کوئی زنا کا واقعہ ہوا ہے تو آپ کسی گواہ کو مجبور نہیں کر سکتے کہ تم گواہی ضرور دو۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، جس نے کسی کا پردہ رکھا، اللہ تعالیٰ اُس کی ستاری فرماتا ہے۔ تو اُس کے گناہ کو پوشیدہ رکھتا ہے۔ مخلوق سے اس پر کرم کرتا ہے۔ تو جو قصاص و حدود کی گواہی ہے۔ اس میں آپ پر گواہی لازم نہیں ہے۔ لیکن جو حقوق کی گواہی ہے۔ اس کی گواہی لازمی ہے اس لئے کہ حقوق اللہ سے، حقوق العباد اللہ نے برتر رکھے ہیں۔ اور جو شرعی حقوق کی گواہی ہے اس میں

یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کو بلایا جائے تبھی آپ گواہی دیں۔ گواہی لازم ہے۔ مثلاً آپ نے رمضان کا چاند دیکھا ہے، یا سوال کا چاند دیکھ لیا ہے تو آپ پر لازم ہے کہ حاکم کو بتائیں تاکہ اس کی بناء پر عام مسلمانوں کو وہ علم پہنچائے کہ چاند ہو گیا، رمضان ختم ہو گیا، عید شروع ہو گئی، یا رمضان کا مہینہ شروع ہو گیا، روزے رکھنے شروع کرو، تو یہ مدعی کے دعوے کی شرط نہیں ہے، یہ نہیں ہے کہ وہ طلب کرے تب ہی گواہی دیں۔ یہ جو: یاب الشہداء.....دعو: یہ بلانے والی جو شرط ہے یہ گواہی صرف حقوق العباد میں ہے۔ یہ حقوق العباد میں جو بھی بلائے آپ ضرور جائیں۔ : ولا تسئموا : اپنے دل میں تیئگی نہ کرو فراخدی سے خوشدلی سے گواہی دو۔ اس حصے کی جو خلاصہ تفسیر ہے، وہ یہ ہے کہ جب کوئی کبھی گواہ بنے یا عدالت میں گواہی دینے کیلئے بلایا جائے جائے تو وہ آنے سے انکار نہ کرے۔ کیونکہ یہ ضروری کام ہے۔ اگر اس میں سستی کی گئی۔ اللہ نے فرمایا : ولا تسئموا..... اس میں سستی نہ کرو۔ تو اگر اس میں سستی کی گئی تو بہت بھاری خرابی ہوگی۔ لوگوں کے حقوق مارے جائیں گے۔ اور نظام معیشت بگڑے گا۔ لین دین میں تجارت میں رخنہ

پیدا ہوگا۔ پھر اس میں اللہ یہ بھی فرماتا ہے مائے مسلمانوں! قرض کے معاملات میں لکھتے وقت کوتاہی نہ کرو۔ قرض چھوٹا ہو یا بڑا اسکی مقدار اس کی مدت اس کی نوعیت لکھ لو۔ اس تحریر میں فائدے بہت ہیں اور وہ تین فائدے اللہ نے بیان فرمائے ہیں یہ خدا کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے، اس سے بندوں کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور حقوق العباد، حقوق اللہ سے سخت ترین ہیں۔ دوسرا کیا ہے؟ کہ تحریر گواہی کو ٹھیک رکھتی ہے گواہی میں آسانی ہوتی ہے، مدعی اور عدالت کو سہولت ہوتی ہے اور معاملہ جلد طے ہو سکتا ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ اس تحریر سے معاملہ صاف رہے گا۔ فریقین میں کدورت نہیں ہوگی، شک و شبہ نہیں ہوگا، لیکن یہ روزمرہ تجارت میں ضروری نہیں ہے۔

اس آیت مبارکہ کے تیسرے حصے کے کچھ اصول ہیں کچھ فائدے ہیں۔ معاملات کی تحریر یعنی لین دین کی اور ان پر گواہ بنانا مستحب ہے۔ نہ کہ واجب، اس کا مقصد جھگڑے، فساد اور دنیاوی ضرر سے حفاظت ہے۔ اللہ نے اس کے فائدے بیان فرمائے ہیں۔ تو اس کی تفسیر میں یہ بھی ہے کہ گواہ کا سفر خرچ جو ہے وہ مدعی کے ذمے ہے۔ اور طلب مدعی پر گواہی جو

ہے وہ لازم ہے۔ اس لئے کہ لکھا ہوا ہے : ولا تسعوا :
 دوسرا یہ ہے کہ اللہ نے یہاں : ان تکتوا صغیرا وکبیرا : اللہ
 نے یہ فرما کر کے ہم پر یہ لازم فرمایا کہ ہر چھوٹا بڑا قابل اعتراض
 معاملے کو زیر تحریر کر لو۔ اور یہاں پر لفظ صغیر اور کبیر استعمال کر کے
 جو ان چیزوں کو ناپنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جس کا کوئی
 وزن نہیں ہوتا۔ کیونکہ دوسرے طریقے بھی ہوتے ہیں ناپنے
 کے۔ تو اس سے پتہ لگا کہ بیع سلم میں چیزیں بھی جو کہ گنتی سے
 یا ناپ سے جن کا ناپ کیا جاتا ہے، اس کے لئے بھی تحریر
 ضروری ہے۔ یہ صرف ان کے لئے ضروری نہیں ہے جن کے
 لین دین اسی وقت مکمل ہو جائیں۔

اور ساتواں اس کا اصول یہ ہے کہ، تحریر مختصر بھی کافی
 ہے۔ مختصر تحریر میں بھی اگر آپ دستاویز بندی کریں تو یہ جائز
 ہے۔ آٹھواں اصول یہ بتایا کہ، یہ جو لکھا ہے : وادنی الاترتابوا
 کہ تم لکھ ڈالو تاکہ کوئی شبہ میں نہ پڑے تو پتہ لگا کہ ہر وہ معاملہ
 جو قابل تنازعہ ہو سکتا ہے ہر وہ لین دین کا سودا جس میں بعد
 میں کسی طرح کا جھگڑا ہو سکتا ہے۔ اس کی کتابت کر لینا بہت ضروری
 ہے اور نقد تجارت کا لکھنا ضروری نہیں ہے۔

اب اس سلسلے میں کچھ شرعی مسئلے ہیں۔ وہ میں بیان

کردوں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ گواہ بننا اور چیز ہے۔ اور گواہی
 دینا اور چیز ہے۔ اور ان کے احکامات مختلف ہیں مثلاً معاملات
 کے آپ گواہ بننے سے انکار نہیں کر سکتے۔ لیکن گواہی دینے
 جائیں گے۔ اسی وقت جب بلائے جائیں گے۔ اور جب گواہ
 بننے میں کچھ ضرر نہ ہو اور نہ بننے میں مسلمان کا نقصان ہو تو ضرور
 گواہ بن جانا چاہیے۔ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے اور اس کی ایک
 مثال دے رہا ہوں۔ کسی نے کسی سے نکاح کیا۔ نکاح تو اس طرح
 سے بھی جائز ہے کہ، عورت مرد سے کہے کہ میں اپنے آپ کو
 آپ کے نکاح میں دینا چاہتی ہوں کیا آپ کو قبول ہے؟ اور
 وہ کہہ دے قبول ہے تو نکاح تو ہو گیا۔ اب اس میں آئندہ جو
 تنازعہ ہے اس کے تدارک کے لئے گواہ کی ضرورت ہے تو اگر
 نکاح ایک مرد اور عورت میں ہو رہا ہے اور آپ ہی اس کے
 گواہ ہیں، تو آپ پر شرعاً اس کی گواہی دینا لازم ہے۔ اس
 سے انکار کرنا گناہ ہے۔ لیکن جہاں دوسرے گناہ ہوں مثلاً
 ندیم نے مجھ سے کہا کہ آپ میرے گواہ بن جائیں۔ میں نے
 کہا تمہارے قریب رشتے داروں میں تمہارا بھائی موجود ہے
 تمہارا بہنوئی موجود ہے وہ دونوں گواہ ہونے چاہئیں۔ اس میں
 میں نے انکار کیا تو اس پر برا نہیں ہے، لیکن یہ اگر ایسا ہوتا

کہ دونوں کا نکاح ہو رہا ہوتا اور اکیلا میں گواہ موجود ہوتا تو پھر گواہی نہ دینا میرے لئے گناہ ہوتا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ گواہی دینے کی چند صورتیں ہیں۔ مثلاً جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ زنا کی گواہی میں اختیار ہے کہ گواہی دے یا نہ دے۔ بلکہ یہ چھپانا مستحب ہے۔ لیکن اسکے برخلاف چوری میں کسی نے مال لے لیا اور آپ نے دیکھ لیا تو اس کی گواہی آپ پر لازم ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس میں مسلمان کے حق کی دادرسی ہے۔ گواہی نہ دینے سے کسی کا دینی یا دنیاوی حق مارا جاتا ہو تو چھپانا منع ہے۔ اور شرعی حقوق کی گواہی بغیر دعوت ہی ضروری ہے یہ مومنین کا شرعی حق ہے کہ رمضان کا یا شوال کا چاند نظر آگیا تو عید کر لیں تو اس کی گواہی کوئی چھپا نہیں سکتا۔ کوئی راستہ چل رہا ہے اور زمین کا تنازعہ ہو رہا ہے اور معاملہ ہو رہا ہے، سن لیا کہ کیا بات ہوئی ہے۔ اور کل کے اُس میں جھگڑا ہو جائے تو وہ گواہی اُس پر لازم ہے اگر اس کو پتہ لگے کہ اگر وہ گواہی نہ دے تو کسی کی حق تلفی ہو جائے گی۔ پھر ایک اور مسئلہ یہ بھی ہے کہ، اگر ایک معاملے کے بہت سارے گواہ ہیں تو یہ گواہی فرض کفا یہ بن جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک واقعے کے سارے لوگ گواہ ہیں

ان میں سے ایک جا کر گواہی دے دیتا ہے تاکہ اس کی داد رسی ہو جائے تو فرض کفایہ ادا ہو جاتا ہے جس طرح سے نماز جنازہ میں کچھ مسلمان اگر شامل ہو گئے تو سارے مسلمانوں کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن امانت کے متعلق بھی یہی ہے کہ امانت کی تحریر بھی ایک احسن عمل ہے۔ لیکن نقد تجارت کے نہ لکھنے میں اللہ کی نافرمانی نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ : **ان تكون تجارة..... جناح الا تکتبوها** ؛ تو نقد تجارت نہ لکھنے میں نافرمانی نہیں۔ لیکن اگر کوئی بڑی تجارت ہے کوئی بڑا سودا ہوا ہے۔ اور وہ ادھار ہے تو اس کا نہ لکھنا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے معاملات میں بھی، اپنی عبادات میں، اپنے اخلاق میں، اپنے معمولات میں، اللہ کے حکم کی اطاعت کریں اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی اتباع کریں۔ ہم اپنے معاملات میں بھی اللہ کے احکامات کی اطاعت کریں، سرکارِ دو عالم ﷺ کی اتباع کریں اور جہاں ان معاملات کی گواہی، دستاویز بندی اور تحریر ضروری ہے اس میں ہم کوتاہی نہ کریں۔

واخرد اعوننا ان الحمد لله رب العالمین



يَا رَاةَ تِلْكَ الرُّسُلُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

آيَتِ نَمْبَرِ : ۲۸۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ يَا حَبِیْبَ اللّٰهِ

چوتھا اور آخری حصّہ

آیت نمبر ۲۸۲ کے تین حصّوں کی تفسیر میں پچھلے دو (۲) نشستوں میں بیان کر چکا ہوں۔ آج چوتھے اور آخری حصّے کی تفسیر بیان کروں گا۔ آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ۲۸۲ آیت سب سے طویل آیت ہے سورہ بقرہ کی۔ سب سے بڑی سورت کون سی ہے، سورہ بقرہ اور سب سے چھوٹی سورت سُورَةُ الْكُوْثُرِ ہے۔ اور آیت میں سب سے بڑی یہ ۲۸۲ اور سب سے چھوٹی : مَدَّهَا مَثْنًا (سورة الرحمن : ۶۴) تو یہ آیت مبارکہ اتنی بڑی کیوں ہے ؟ اس سے اندازہ

ہوتا ہے کہ اللہ ہمارے معاملات کی درستگی کی صحت اور لین
 دین کی صحت کو اس کے انصاف کو اس میں حقوق العباد جو
 چھپے ہوتے ہیں اس کی حفاظت کو کتنا اہم سمجھتا ہے۔ میں
 مختصراً پچھلے تین (۳) حصوں کا اعادہ کرتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا
 کہ، جب تم کوئی قرض کی بنیاد پر کوئی لین دین کرو جو مقررہ
 میعاد کے لئے ہو، تو اس کو لکھ لو۔ کیا لکھو؟ جو رقم ہے جن
 شرائط کے ساتھ وہ واپس کرنا ہے اور جس کو واپس کرنا ہے
 جس مدت میں واپس کرنا ہے، یہ ساری تفصیل اس میں لکھو۔
 اور اس طرح کی دستاویز کی تحریر میں کچھ لوگ قانون دان ہوتے
 ہیں، وثیقہ نویس ہوتے ہیں۔ وہ لوگ ان کو انصاف کے ساتھ
 لکھ دیں۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ لکھنے والے اس سے کنارہ کشی
 نہ کریں اس فرض سے۔ اس لئے کہ انہیں یہ خیال رہنا چاہیے
 کہ یہ علم ان کو اللہ نے عطا فرمایا ہے اب اللہ کا عطا کیا ہوا
 علم جو ہے وہ ایک امانت ہے دوسروں تک پہنچانا ضروری ہے،
 تاکہ ان کو اس سے استفادہ ہو جو کہ ملنا ضروری ہے۔ پھر اللہ
 نے دوسرے جملے میں یہ ذمہ داری اس شخص پر ڈال دی جس پر
 اس طرز کے کاروبار میں لین دین میں جس پر کچھ حقوق واجب
 ہو جاتے ہیں، جس کے ذمے حقوق ہوتے ہیں اور ان کی ادائیگی

ہوتی ہے : علیہ الحق : اس پہ ذمے داری دی کہ وہ دستاویز
 کا مضمون صحت کے ساتھ اس کو بیان کر دے ، املا کر دے
 تاکہ لکھنے والا اس کو آسانی سے لکھ لے۔ اور اس عمل میں
 اللہ سے ڈرو کہ پالنے والا وہی ہے۔ یہ خیال کرنا کہ بے ایمانی
 کر کے اس کا رزق بڑھ جائے گا۔ گناہ بھی ہے اور خام خیالی
 بھی ہے اس لئے کہ پالنے والا رب ہے ، اس سے ڈرو اور
 اس میں کوئی بے ایمانی نہ کرو اور کوئی چیز اس میں کم نہ کرو۔
 جو تمہارے واجب الادا حقوق ہیں دوسروں کے حقوق جو تم
 پر واجب ہیں ، ان میں کسی طرح کی کھوٹی یا کمی نہ کرو۔

پھر اللہ نے ان حالات کا ذکر فرمایا کہ جس پر حق واجب
 ہے۔ وہ نفس مضمون میں صحیح طریقے سے بیان کر چکا ہوں اور
 وہ صورتیں کیا ہیں ؟ کہ وہ ذہنی طور پر اس کی صلاحیت نہ رکھتا
 ہو یا وہ ضعیف ہو ، اس کو کوئی چیز ہی نہ یاد آتی ہو۔ یا یہ کہ
 اس میں قوت گویائی یا فصاحت نہ ہو اس میں یہ استطاعت
 نہ ہو کہ وہ نفس مضمون کو بیان کر سکے۔ ایسی صورت میں اس
 کا کاروبار یا لین دین تو ختم نہیں ہوتا اسلئے ، ایسے آدمیوں کو
 جو ذہنی طور پر کم خوش قسمت ہوں ، یا ضعیف ہوں ، یا ان میں
 قوت بیان کم ہو ایسے لوگ بھی قرض پر کاروبار کر سکتے ہیں ،

لیکن ان کا کوئی دلی ہونا چاہیے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ معاملات کے حُسن کو قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تم اس پر دو گواہ مقرر کر لو۔ دو مومن مرد اور یا ایک مومن مرد، دو عورتیں گواہ کر لو۔ پھر گواہوں کو مدعی بوقتِ ضرورت بلا سکتا ہے۔ جب وہ بلائیں تو تم کاہلی نہ کرو۔ گواہی دینا تمہارا فرض ہے۔ مگر جو آنے جانے پر تمہارا خرچ ہوتا ہے، اس کا وہ خرچ دعویٰ دار کے ذمے ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ جہاں تک دستاویز بندی اور کتابت کا تعلق ہے اس میں تم چھوٹے کاروبار اور لین دین کی تفریق نہ کرو، اس کو لکھ لو۔ اور گواہی کے استحکام کے لئے یہ ضروری ہے۔ یہاں تک مختصر اعادہ تھا پچھلی تفسیروں کا۔

اب چوتھا حصہ ہے، پچھلے تین حصوں میں احکامات آئے تھے ان کی وضاحت آرہی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

واشھدوا اذا تبایعتم: لکھنے میں میں نے تمہیں یہ رعایت دے دی ہے کہ جو حاضر سودے ہوں، اس کو مت لکھو۔ جو آپس میں مال ایک دوسرے سے لیتے رہتے ہو گردش کرتے رہتے ہو نہ لکھو لیکن جو تم سودے کرتے ہو، لین دین کرو تو اس کے گواہ مقرر کر لو۔ اگر نقد سودا ہے تو لکھنے کی پابندی نہیں ہے۔ اگر نقد بھی ہو تو جو لین دین کرو لوگوں کے سامنے ہو۔

صاف اور سٹھرا اور واضح ہو۔ اور کل کو اس نقد سودے پر بھی کوئی تنازع ہو جائے، تو گواہ موجود ہوں۔ وہ معاملہ رفع دفع کرنے کے لئے کہہ دیں کہ میں نے تو آپ کو اتنے پیسے دیئے تھے، اس معیار کے دیئے تھے، آپ نے ہمیں وہ معیار نہیں دیا، خراب دیا ہے۔ تو گواہ ہوگا تو اس نے کہا کہ نہیں اس نے تو سارے پھل ٹھیک دیئے تھے۔ وہ جو قیمت طے ہوئی تھی اس پر دیئے تھے، تو اللہ تعالیٰ کسی طرح کا فتنہ، فساد یا جھگڑا نہیں چاہتا۔ مومن کے لئے اللہ نے حکم فرمایا ہے :
 واشهدوا اذا تبایعتم: کہ جب تم لین دین کرو تو اس کے گواہ مقرر کر لو، تمہارے لئے بہتر ہے۔ پچھلے جملے میں جب اللہ نے حکم دیا کہ کاتبوں کو لکھنے میں کاہلی نہیں کرنا چاہئے، گواہوں میں گواہی کی حاضری ضروری ہے، جب بلائے جائیں تو آنا چاہیئے۔ تو بعض لوگوں نے ان پر زیادتیاں کرنا شروع کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ تم میری گواہی دو، تم کاروبار بند کرو، دکان بند کرو، یا بیمار ہو تو کیا ہوا، تمہاری ٹانگ میں زخم ہے تو کیا بات ہے؟ تم میرے ساتھ چلو، چل کے گواہی دو۔ لکھنے والوں سے کہا کہ ٹھیک ہے تمہیں کوئی کام ہے یا کسی کو کہیں جانا ہے یا کوئی اور کام ہے

جو پہلے کسی سے طے کیا ہے، انہیں نہیں جانتا تمہاری ڈیوٹی ہے کہ تم یہ لکھو۔ تو اس طرح کے رویے کو اللہ نے منع کیا ہے، کہ جہاں اس نے گواہی دینے والوں اور دستاویز لکھنے والوں کے فرائض بیان کئے ہیں اللہ نے وہاں پر ساتھ ہی ساتھ ان کو بھی تحفظ دیا ہے۔

اللہ کے نزدیک حقوق العباد بہت محترم ہیں لہذا وہ ہر طریقے سے حقوق العباد ہی کی حفاظت چاہتا ہے۔ چاہے وہ حقوق لکھوانے والے کے ہوں، وہ حقوق اس کے ہوں جس کا حق واجب ہے، یا حقوق اس کے ہوں جو ان سے حق وصول کرنے والا ہو یا چاہے وہ حقوق گواہ کے ہوں، یا وہ حقوق لکھنے والوں کے ہوں تو اللہ فرماتا ہے : ولا يضار كاتب ولا شهيد : يضار کیا ہے ؟ نقصان سے، تکلیف سے، اور تم تکلیف نہ دو۔ کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ لکھنے والوں کو اور گواہی دینے والوں کو ان پر گواہی فرض ہے، ان پر لکھنا، یا تو یہ کہو کہ ہم تمہیں کوئی اُجرت نہیں دیتے۔ یا تمہارے کاروبار میں جو نقصان ہوا ہے تم نے دن بھر پھیل نہیں بچا ہے، ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں، تمہاری تو ڈیوٹی تھی گواہی دینے کی، تو اگر ان کے نقصانات کی تلافی یا انکی اُجرت

نہ دو یا ان پر زور زبردستی کرو تو یہ اللہ کے نزدیک بُرا ہے۔
 ایسا تمہیں نہیں کرنا چاہیئے۔ تو اللہ فرماتا ہے: **وان تقفلوا
 فانہ فسوق؛ یکم؛** میرے اس حکم کے باوجود بھی اگر تم ایسا ایسا کرو،
 یعنی گواہوں کو تنگ کرو، لکھنے والوں کو تنگ کرو یا تمہارے لئے فسق ہے۔
فسق، کیا چیز ہے؟ اللہ کی اطاعت کی حد سے نکل
 جانا۔ یعنی بغاوت پر آجانا۔ اور یہ یاد رکھیں کہ یہ فسق کس
 کے بارے میں ہے؟ نہ یہ حقوق اللہ کے بارے میں ہے،
 نہ حقوق النفس کے بارے میں ہے۔ اگر حقوق اللہ کے بارے
 میں فسق ہو جائے تو آپ توبہ کر لیں تو معافی ہو جاتی ہے،
 لیکن حقوق العباد کا فسق جو ہے وہ تو کسی صورت میں معاف
 نہیں ہوتا۔ تو اللہ نے بتایا کہ جان لو کہ وہ کاتب جو ہے، شہید
 جو ہے، وہ میرے بندے ہیں، وہ عباد میں سے ہیں، ان کی
 حق تلفی کرو گے تو تم حدِ اطاعت سے نکل جاؤ گے، گنہگار
 ہو جاؤ گے۔ اور ایک ایسے موضوع پر گناہ تمہارا ہوگا جس میں
 معافی کی گنجائش نہیں ہے، اور توبہ کی قبولیت نہیں ہے۔ لہذا
 کیا کرو: **واتقوا اللہ؛** اتقو کیا ہے؟ کسی کی ناراضگی کے
 ڈر سے احتیاط کرنا۔ تو تقویٰ کیا ہے؟ ڈرنا اس کا خوف
 اپنے پر طاری رکھنا اس بات سے ڈرنا کہ ہم سے کوئی ایسا

عمل نہ ہو جائے جس سے میرا رب ناراض ہو جائے۔ یا مجھ
 سے اور رب کے درمیان دُوری، اور فاصلہ ہو جائے،
 اور تلاش میں رضا کہ ہم سے وہ عمل ہوتا رہے، جس
 سے رب راضی ہو جائے۔ یہ تقویٰ ہے۔ تو : **واتقوا اللہ**؛
 اللہ فرماتا ہے: مجھ سے ڈرو اور خوف کرو میں نے تمہیں بتا دیا
 ہے کہ معاملات میں درستگی میرے لئے کتنی اہم ہے۔ میں
 نے تمہیں بتا دیا کہ لین دین کے کیا لوازمات ہیں۔ میں نے
 تمہیں بتا دیا کہ جس پر حق واجب ہے، اسکے کیا فرائض ہیں۔
 جس کو حق لینا ہے اس کے کیا حقوق ہیں۔ لکھنے والے کے،
 کاتب کے کیا فرائض ہیں۔ گواہوں کے کیا فرائض ہیں؟ اور
 کاتب کے کیا حقوق ہیں۔ اور گواہوں کے کیا حقوق ہیں، اگر
 تم اس کی خلاف ورزی کرو گے تو میری اطاعت سے باہر
 ہو جاؤ گے اور اس گناہ کو دھونا تمہارے لئے ناممکن ہو جائیگا
 اس لئے کہ تمہاری نہ تو گریہ و زاری کام آئے گی، اور نہ توبہ کام
 آئے گی۔ اس لئے کہ تم نے میرے بندے کی حق تلفی کی ہے۔
ويعلمكم اللہ : اللہ تعالیٰ تمہیں آسانی سے آہستہ
 آہستہ تمہیں سارا علم پہنچاتا ہے۔ تاکہ وہ تمہارے ذہن نشین
 ہو جائے۔ تاکہ وہ تم پر بوجھ نہ ہو تمہارے دل و دماغ اس

علم کو اپنی ذات میں جذب کر لیں کہ وہ علم جو ہے اللہ کا دیا
 ہوا ہے۔ تمہارا ہادی اور مُرشد تمہارے تمام اعمال
 کی، تمہارے فکر و عمل کی نگہبانی کرے اور درستگی کرے۔ تو اس
 اللہ کے فضلِ عظیم کی ناشکری نہ کرو: واللہ بكل شیءٍ علیمہ
 اور کس ذات نے تمہیں علم دیا ہے؟ اس ذاتِ پاک نے علم
 دیا ہے جو ہر چیز کو جانتا ہے جس کا علم ٹوٹل ہے، جسکے
 علم کی بساط جو ہے زمین و زماں، کون و مکاں، ہر ایک پر محیط
 ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے وہ جانتا ہے، جو کچھ ہونے والا ہے،
 وہ جانتا ہے، وہ جانتا ہے کہ انسانوں کے درمیان میں جو
 معاملات ہوتے ہیں، تو لین دین ہوتے ہیں، تو کیا کیا اس
 سے خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ کیا کیا اس میں جھگڑے ہو سکتے
 ہیں کیا کیا تنازع ہوتے ہیں، اس نے آسانی کے لئے وہ تمام
 علم ہمیں عطا فرما دیا ہے۔ تمام قوانین وضع کر دیئے ہیں تاکہ
 ہم اس پریشانی سے بچیں۔ تاکہ اسلامی معاشرے میں امن
 و سکون ہو۔ اور اسلامی معاشرے میں ہر ایک کے حقوق کی
 حفاظت ہو کہ کوئی کسی پر زور زبردستی نہ کرے۔

اس تفصیل سے آپ کو یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ جو تھا
 جملہ ہے، اس کا پچھلے سے کیا تعلق ہے، پچھلی آیت میں کیا تھا

دو حکم تھا کہ جب کوئی لین دین قرض پہ ہو تو اس کو لکھیں اور
 گواہ بنائیں اور لیکن نقد لین دین میں لکھنے کی معافی ہے۔
 لکھنے کی تو معافی ہے لیکن گواہی جو ہے اس کی معافی نہیں
 وہ ضروری ہے۔ پہلے گواہ کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ گواہی میں
 پس و پیش نہ کریں، کاتبوں کو یہ حکم تھا کہ وہ لکھنے سے انکار
 نہ کریں۔ اب صاحبان معاملات کو حکم ہے کہ نہ گواہوں پر ظلم
 کریں، نہ لکھنے والوں پر ظلم کریں، یہ اس کا تعلق ہے کچھلی آیت
 سے اور اس کی شان نزول کیا ہے؟ حضرت ابن جریر بن ربیعؓ
 نے فرمایا ہے کہ جب یہ آیت اتری: ولایاب کاتب: کہ
 کاتب انکار نہ کرے تو پھر کیا ہوا کہ معاشرے میں ہر طرح کے
 لوگ تھے جو کاتب اور گواہ پر زور زبردستی کرنے لگے۔ اور
 ہر طرف بدنظمی شروع ہو گئی۔ اور کہا کہ تم ضرور لکھو اس لئے کہ
 تمہارا فرض ہے، اللہ نے فرمایا ہے تم کو میرے ساتھ چلنا
 پڑے گا۔ اور اگر انہوں نے آنے سے انکار کیا تو ان پر زیادتی
 شروع کر دی۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر مختصر کیا ہوگی کہ،
 اے مسلمانو! اگرچہ نقد تجارت کا لکھنا ضروری نہیں۔ لیکن
 اس پر بھی احتیاطاً گواہ بنایا کرو۔ اور کبھی اس میں بھی
 جھگڑے پڑ جاتے ہیں، یہ سارے قوانین اللہ نے تمہاری

آسانی کے لئے بنائے ہیں، لہذا اللہ نے فرمایا کہ: قوانین کی آڑ لے کر کسی کاتب یا گواہ کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ ان کے کاروبار روک کے اپنا کام کراؤ یا کاتب کو اجرت اور گواہ کو اس کا خرچ نہ دو، تو یہ فسق ہے۔ تو اگر تم اللہ کی تعمیل میں ایسا نہ کرو گے تو یہ فسق ہوگا۔

تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ حقوق العباد کی تلافی کو تلف کرنا حقوق العباد پر ڈاکہ ڈالنا یہ ایک ناقابل معافی خلاف ورزی ہے۔ جس طرح انسانوں سے لین دین ہوتا ہے، اللہ سے بھی ہم نے لین دین کیا ہوا ہے، معاہدہ کیا ہوا ہے۔: الست ربی قالوا بلی: ہم تو آپ کا حکم مانیں گے، آپ رب ہیں ہمارے، تو اللہ تو ہم پر مہربان ہے وہ تمام علم کو جانتا ہے، حالات کو جانتا ہے، اس نے ہماری آسانی کے لئے دینی قوانین بھی بنائے ہیں اور دنیاوی قوانین بھی بنائے ہیں، اس لئے کہ دین دنیا سے وابستہ ہے۔ دنیا میں ہم اللہ کے بتائے ہوئے طریقے سے رہیں گے، تو دین کے راستے پر، اور صراطِ مستقیم پر ہم قائم رہیں گے۔ اس کے قوانین صحیح ہیں اور ان قوانین کی خلاف ورزی جو ہے، فسق و فجور ہے۔

بیع کی تجارت کی تین قسمیں ہیں ایک تو بیع قولی ہے۔

یہ ایجاب و قبول ہوتا ہے کہ میں تم سے دس گز کپڑا لینے والا ہوں، اس نے کہا: ہاں تم لے لو اتنی قیمت ہے، تو آپ نے قبول کر لیا تو بیع ہو گیا۔ اور ایک عمل ہے کہ: وہاں قیمت لکھی ہوئی ہے، آپ نے کپڑا لے لیا اور پیسے دے دیئے۔ یہ عمل بیع ہو گیا۔ لین دین ہو گیا۔ اس میں ایجاب و قبول ہوا اور عمل بھی شامل ہو۔ تو ایک طرف سے قول ہو، دوسری طرف سے دین ہو۔ اور بیع میں پہلے قیمت ادا کی جائے اور آگے مال اٹھایا جائے۔ تحریری ہو، تو پہلے تحریر کرو بعد میں لین دین ہونا چاہیے۔ اور ایجاب و قبول دونوں گواہوں کے سامنے ہوں۔ اللہ چاہتا ہے کہ معاملات صاف ستھرے ہوں، اس لئے ہمیں معاملات کو گواہوں کے سامنے کھلے عام کرنا چاہیے۔

اگر اجارہ ہو، (اجارہ کہتے ہیں، ٹھیکے پر دینا) کوئی چیز کرائے پر لے رہے ہیں جیسے مکان ہے، گاڑی ہے، رکشہ یا ٹیکسی، تو پہلے اس سے نفع حاصل کریں اور بعد میں اس کا کرایہ دیں۔ بعض صورتوں میں جہاں اجارے پر دینے والے ہیں انہوں نے اپنے قوانین بنا لئے ہیں، وہاں پہلے کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ جیسے ریل ہے، ہوائی جہاز ہے، سمندر کا ٹکٹ ہے۔ اس کے برخلاف ٹیلیفون ہے جو ہم استعمال کرتے ہیں بعد میں

بل دیتے ہیں اس سے کچھ اصول مرتب ہوئے۔ ایک تو یہ کہ لین دین کے گواہ بنا لو۔ اور کچھ لکھت پڑھت بھی کر ڈالو۔ چوتھا یہ ہے کہ گواہی پر اُجرت حرام ہے کہ یہ ذہنی فرض ہے۔ لیکن گواہی میں جو اس کے کاروبار کا نقصان ہوا ہے یا سفر پر خرچ ہوا ہے وہ حرام نہیں ہے وہ اس کا حق ہے۔ اب اس سے تین مسئلے اس سلسلے میں پیدا ہوتے ہیں، اس سے تین (۳) مسئلے حل ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ کہ دستاویز نویس کی اُجرت جائز ہے۔ اور یہ پہلے طے کر لینی چاہیے۔ مشورہ اگر کوئی اپنے علم سے دے تو اس کی فیس جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ علم اللہ کی امانت ہے، لیکن کتابت کرنا، اور مسئلہ کا حل بتانا جائز ہے، اور تمام دستاویزات تیار کرنا جائز ہے۔ اور ان دستاویز کی اُجرت جائز ہے مگر پہلے طے کر لینی چاہیے۔ کتاب کی اُجرت اور ہدیہ دونوں جائز ہیں۔ گواہی کی اُجرت جائز نہیں ہے۔ اور اس سے ایک مسئلہ ہے کہ: مسئلہ بتانے کی اُجرت ناجائز ہے، مگر عدالت میں بطور شہادت کے لئے پیش کئے جانے والا فتویٰ جو ہے قابل اُجرت ہے۔ اس سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ فلاں پیر تو دم درود کے پیسے لیتا ہے۔ کسی کو قرآن سنانے کی اُجرت جو جائز نہیں

ہے۔ لیکن اگر کسی کا علاج کر رہے ہیں، کسی کو کلام پاک پڑھ کے دم کر رہے ہیں۔ تو اس کی اُجرت آپ لے سکتے ہیں اس لئے کہ اس میں آپ کا عمل ویسا ہی ہے جیسے کسی حکیم یا ڈاکٹر کا ہے۔ اور اس کی شہادت یہ ہے کہ: صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم میں سے کسی کو سانپ نے کاٹ لیا اور ان کو دوسرے صحابہ نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ ٹھیک ہو گئے۔ اس کی اُجرت میں انہوں نے ان کو تیس (۳۰) بکریاں دیں۔ تو کوئی پیر صاحب اگر لیں دم درود کی فیس تو اس کو آپ بُرا نہ کہیں۔ وہ عمل یا وہ پیری جو صرف پیسے کے لئے ہو وہ بُرا ہے، لیکن اس کی اجازت ہے۔

اور تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اپنا مسئلہ چھوڑ کر گواہی کیلئے گئے تو اُجرت کے علاوہ نقصان کی تلافی بھی جائز ہے۔ اب یہ جو آیت مبارکہ ہے، اس کی ایک صوفیانہ تفسیر بھی ہے جس کا تعلق طریقت سے ہے۔ کہ یہ کلام پاک کی سب سے بڑی آیت ہے اور اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ نے معاملات کی صفائی ستھرائی دُرستی کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ لہذا معاملات اور تعلقات میں احتیاط بہت ضروری ہے۔ یاد رکھیں کہ مال کا تعلق ہمارے جسم سے ہے، جیسے ہم کپڑا خریدتے ہیں،

کھانا خریدتے ہیں، سردی، گرمی سے حفاظت خریدتے ہیں
 چلنے پھرنے سفر کے ذرائع خریدتے ہیں، تو جتنا زیادہ مال
 ہوتا ہے اتنا زیادہ جسم کو آسودگی حاصل ہوتی ہے، جسم کا تعلق
 نفس سے ہے۔ اگر جسم میں پاک رزق جائے گا، پاک مال
 جائے گا، تو نفس بھی ٹھیک ٹھاک ہوگا اور نفس کا تعلق رُوح
 سے ہے، نفس ٹھیک ہوگا تو پھر رُوح بھی ٹھیک رہے گی۔
 چنانچہ مال کی خرابی سے، حرام مال سے، جسم کو نقصان پہنچتا ہے۔
 اور جسم کا فساد نفس کو خراب کرتا ہے۔ اور نفس کا بگاڑ قلب کو
 خراب کرتا ہے۔ قلب کا بگاڑ رُوح کو خراب کرتا ہے۔ لہذا کیوں
 اہمیت اللہ نے دی ہے اس وجہ سے کہ مال کی خرابی سے کتنی
 خرابیاں ہوتی ہیں۔ ایک سلسلہ خرابیوں کا شروع ہو جاتا ہے، جسم
 خراب، نفس خراب، قلب خراب، رُوح خراب تو باقی کیا بچا؟ اللہ
 کو پیش کیا کریں گے، کے کوئی چیز ایسی نہیں رہ جائیگی جو رب کے
 حضور پیش کرتے وقت اس کی نگاہِ کرم کے لائق ہو۔ تو معاملات
 کی خرابی معاشرے میں فتنہ پیدا کرتی ہے، اس سے حد
 پیدا ہوتا ہے کینہ پیدا ہوتا ہے، اور یہ چیزیں دین کو ایسے
 برباد کرتی ہیں، جیسے کہ: بکڑی کو آگ۔

جو تعلقات ہیں وہ ایک تو اللہ کے بندوں سے ہیں۔

بندوں کے اللہ سے ہیں، اور بندوں کے بندوں سے ہیں۔ اللہ کے بندوں سے تعلق یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو دینی اور دنیاوی معاملات میں تعلیم فرماتا ہے، اور بندوں کا اللہ سے کیا تعلق ہے؟ وہ تعلق اس یقین کا ہے کہ جس طرح سے بندوں سے معاملات صاف ستھرے ہونا چاہئیں، اسی طریقے سے اللہ کے ساتھ بھی معاملات بھی صاف ستھرے ہونا چاہئیں۔ اس لئے کہ رب سے بھی ہم نے ایک سودا کیا ہے۔ ہم نے اپنے جان و مال، جنت کے عوض رب کے ہاتھ بیچ دیئے ہیں۔ رب نے ہماری جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے، اب اگر اس میں ہم نے خیانت کی تو معاملے میں خیانت ہو جائے گی۔ تو پھر ہم جنت کے مستحق نہیں ہونگے۔ اگر کوئی کسی کو سودا بیچنے کے بعد معاہدہ کرنے کے بعد وہ سودا نہ دے تو اس کو پیسے تو نہیں ملیں گے۔ اس کا معاوضہ تو نہیں ملے گا، ہم نے اپنی جان و مال رب کے ہاتھ بیچ ڈالے۔ اس میں اگر ہم نے کوتاہی کی تو جنت کے حق دار ہم نہیں ہوں گے۔

ہم نے عہد و پیمان کیا ہے اور یہ عہد و پیمان جو ہے، جنتی یا قوت میں لکھا ہے۔ اور یہ گواہی کی رسم کہاں پڑی؟

یہ عرش پر پڑھی، جب یہ ریت نے معاہدہ کیا تو اس کی گواہی کس نے دی، فرشتوں نے دی۔ اور یہ حجرِ اسود جنتی یا قوت تھا۔ یہاں دنیا میں آنے کے بعد اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ یہ عہد نامہ سنگِ اسود میں ہے، محفوظ ہے۔ اللہ قیامت کے دن اس سنگِ اسود کو آنکھیں عطا کر دے گا، زبان عطا کر دے گا، اور وہ گواہی دے گا: کہ انسان نے یہ وعدہ کیا تھا آپ سے اور یہ خلاف ورزی ہوئی ہے اس سے۔ اور اگر انسان نے اسکو چیلنج کیا کہ: نہیں میں نے تو نہیں کیا، تو اس کے اعضاء، اس کی آنکھیں، اس کے ہاتھ، اس کے کان، اس کے پیر، سب گواہی دیں گے کہ یہ بھوٹ بول رہا ہے۔ میں نے اس ہاتھ سے فلاں کو قتل کیا تھا۔ اس ہاتھ سے چوری کی تھی۔ اس جسم سے یہ بد اخلاقی کی تھی، اس زبان سے یہ کہا تھا مختصراً یہ کہ یہ کتابت اور گواہی کی رسم اللہ نے عرش پر ڈالی تھی، اور وہ چاہتا ہے کہ اس کے جو بندے ہوں وہ اس کی حکمت سے واقف ہوں کہ معاشرے میں اس سے چین و سکون رہے گا۔ معاملے میں درستگی رہے گی، اور وہ اس پر عمل کریں گے۔

تیسرا تعلق بندوں سے بندوں کا ہے۔ اللہ ہماری پھوٹی موٹی خطاؤں پر ہمارے ایمان کی جڑا نہیں روکتا، ہمارے

رزق نہیں بند کرتا۔ ہم پر ہوا جو ہمارے سانسوں اور پھیپھڑوں
 کے لئے ہے، اس کو نہیں روکتا، بارش نہیں روکتا۔ یہ اللہ کی سنت
 ہے، کہ چھوٹے موٹے خطائیں جو ہیں ان کو بہانہ بنا کر اپنے کرم کو
 نہ روکے۔ انسانوں کو بھی چاہیے کہ معاملات میں چھوٹی موٹی
 خطائیں ہو جائیں تو اسکو جواز بنا کر کسی کا حق تلف نہ کرے۔ حقوق
 العباد جو ہے وہ محترم ہے، اس سے بھاگنے کے لئے چھوٹے
 موٹے بہانے نہ تلاش کئے جائیں۔ اور اللہ سے ڈرے اور سارے
 معاملات کو درست رکھے۔ رتب سے معاملہ اچھا رکھے تاکہ
 درجات پائے۔ اللہ نے آپ کو ایک قلبِ سلیم عطا کیا ہے۔
 اس قلب میں اللہ کا ڈر، اللہ کی محبت اور حسنِ فکر و عمل کی
 صلاحیت ہے۔ اس قلبِ سلیم کی صلاحیت کو بد اعمالی کے
 گرد و غبار سے بیکار نہ کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے پوچھا
 کہ: "عالم کون ہے؟" حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا
 کہ: "جو علم سکھا رہا ہو لوگوں کو، اس علم کے مطابق اس کا عمل
 ہو۔ وہی شخص عالم ہے۔" پھر آپ نے پھر پوچھا کہ: "علماء کے
 سینے سے ان کا علم نکالنے والی کون سی چیز ہے؟" تو آپ نے
 فرمایا کہ: "طبع" درِ منشور میں یہ روایت لکھی ہے، حضرت جابرؓ

فرماتے ہیں کہ: "اول؛ خاموشی سیکھو، پھر حلم سیکھو، پھر عاجزی، اور پھر علم۔ اس لئے کہ خاموشی اور حلم کے بغیر علم بے کار ہے۔ پھر اس پر عمل کرو۔"

حضرت ذہاب فرماتے ہیں کہ: "تین شخصوں کی دعا قبول نہیں ہوتی: ایک، زانی جب تک وہ زنا سے توبہ نہ کرے۔ دوسرا، ایک وہ شخص جو ادھار کی تجارت کرے اور اس کو نہ لکھے، نہ گواہ بنائے اور پھر خریدار اس حالت میں انکار کر دے۔ اس لئے کہ اس نے دوسرے کو گناہ کا موقع دیا۔ تو اس طرح اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اور تیسرا وہ شخص ہے جو کسی کا مال ظلماً کھا جائے، اور جب تک کہ وہ اسے واپس نہیں کر دیتا اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔"

تو تمام معاملات اور عبادت کی اصل جو ہے وہ خوفِ الہی ہے۔ تقوے کو، خوفِ الہی کو، اپنے قلب سے نکلنے کی اجازت نہ دیں۔ یہ اس لئے کہ یہی فکر اور خوف تقوے کی اصلاح کرتا ہے، یہی اس کا مصلح ہے، یہی اس کا محافظ ہے، اللہ کے فضل و کرم سے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس آیت کی ابتداء ہوئی، لین دین سے اور انتہا ہوئی تقوے کی تاکید سے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ عطا فرمائے۔ ہمیں صحت و فکر و

عمل کی صلاحیت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے معاملات کو ستھرا رکھنے کے جو قوانین بنائے ہیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ ہمیں اپنی اطاعت کی حدود میں رکھے۔ فسق و فجور سے محفوظ رکھے۔ اللہ ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے اور اللہ ہمیں اس معاہدے پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس معاہدے کے تحت اس نے ہمارے جان و مال کو اپنی جنت کے عوض خرید لیا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



تفسیر علیہ السلام

قرآن حکیم



از
خواجہ طارق فیاض، اربابِ حقیت، اہلِ برکت

عادل شریف، کاملاً طالعوت

صادق البیان، تفسیر القرآن

ذکر عشقِ محمدی

شیخ عالم ماری، وفاتے مگ انصالی

حضرت قاضی محمد سلیم اللہ صاحب ماری

کادری، شیخ صاحب ماری، صاحب اللہ علیہ